من حفظ علی امتی اربعین حدیثا فی امر دینها بعثه الله فقیها
وکنت له یوم القیامة شفعا وشهیدا (الحدیث)

اربعین اشرفیہ

مرتب

عبدالمجید اشرفی قادری

ناشر

بزمِ قادریہ اشرفیہ

جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور

نام کتاب .... اربعین اشرفیہ

مرتب .... عبدالمجید اشرفی قادری

پروف ریڈنگ .... علامہ ارشاد احمد حقانی

کمپوزنگ .... مولانا محمد اکرام اللہ بٹ (۰۳۰۰-۶۲۱۲۳۵۰)

بااہتمام .... بزم قادریہ اشرفیہ، لاہور

صفحات ۸۰

اشاعت .... جولائی 2010ء/رجب المرجب ۱۴۳۱ھ

ملنے کے پتے

☆......رضا بک شاپ، شاہ حسین روڈ گجرات

☆......مکتبہ اہل سنت، جامعہ نظامیہ رضویہ، لوہاری گیٹ لاہور

☆......نظامیہ کتاب گھر، اردو بازار لاہور

بفیضانِ نظر

عمدۃُ المحققین سند الواصلین شیخ الحدیث والتفسیر

مرجع العلماء والخلائق مفتیِ ملّت حضرت علامہ

پیر مفتی محمد اشرف القادری ادام اللہ فیوضہ

محدث نیک آبادی

پیش لفظ

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم وما آتاکم الرسول فخذوہ وما نھاکم عنہ فانتھوا ۔(القرآن)

ترجمہ: جو کچھ تمہیں رسول عطا فرمائیں لے لو اور جس سے منع کریں باز رہو۔

شہنشاہ دوعالم نبی مکرم نور مجسم علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

فان خیر الحدیث کتاب اللہ وخیر الھدیٰ ھدی محمد ﷺ

یقیناً بہترین بات اللہ کی کتاب ہے اور بہترین طریقہ محمد مصطفیٰ ﷺ کا طریقہ ہے۔

یعنی سب سے اچھی بات قرآن کریم اور سب سے بہترین حدیث حضور کی حدیث ہے قرآن کریم کے بعد حدیث رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مرتبہ ہے اللہ کا کلام ایک چیز کے بارے میں اصول بتاتا ہے اور حضور اس کی تفصیل اور وضاحت فرماتے ہیں اور پھر اصول شریعت چار چیزوں کو قرار دیا گیا ہے۔

۱......قرآن ۔۲......سنت رسول ﷺ ۔۳......اجماع امت ۔۴......قیاس۔

اس کے علاوہ دوسرے علوم کو اساس شریعت میں کوئی دخل نہیں اسی پر فقہ شریعت کی اساس استوار ہے ان چاروں میں دوسرا درجہ حدیث کا ہے یعنی قرآن سے کوئی مسئلہ نہ ملے تو حدیث رسول سے رجوع کریں قرآن کریم نے اصول وضع فرمائے ہیں ان کی توضیح حدیث رسول سے کی جاتی ہے۔قرآن کریم پر کماحقہٗ عمل حدیث شریف کے بغیر ناممکن ہے جیسے قرآن مجید نماز، روزہ، حج، زکوۃ کے احکام تو بیان کرتا ہے لیکن ان کی تفصیل و وضاحت حدیث رسول سے ملے گی تب جا کر اللہ تعالیٰ کے فرمان پر صحیح طور پر عمل ہوسکتا ہے۔

☆☆☆..............☆☆☆..............☆☆☆

عرضِ مؤلف

محبوب کائنات، صاحبُ التاج والمعراج بیکسوں کے کس، بے بسوں کے بس حضور سرور کونین ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

سب سے بڑا سخی اللہ تعالیٰ ہے اور اس کے بعد اولاد آدم میں بڑا سخی میں ہوں اور میرے بعد وہ جو شخص علم سیکھے اور اس کو پھیلائے۔(مشکوٰۃ شریف)

اس دور میں علم سیکھنا اور دوسروں کو سکھانا بہت ضروری ہے اور خاص طور پر قرآن اور حدیث کا علم کیونکہ لوگ دین سے دور ہوتے جارہے ہیں دنیا کی لغویات میں مشغول ہونے کی وجہ سے لوگ اپنے بچوں کو دنیا کا علم سکھاتے ہیں مگر دینی علم آٹے میں نمک کے برابر ہوتا ہے، حالانکہ دینی علم کو زیادہ سے زیادہ حاصل کرنا چاہیے کیونکہ ہم مسلمان ہیں۔حضور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

من حفظ علی امتی اربعین حدیثا فی امر دیننا بعثہ اللہ فقیھا وکنت لہ یوم القیامۃ شافعا وشھیدا ۔(مشکوٰۃ ، کتاب العلم)

جو میری امت پر چالیس احادیث احکام دین کی یاد کرے اسے اللہ تعالیٰ فقیہ اٹھائے گا اور قیامت کے دن میں اس کا شفیع اور گواہ ہوں گا۔

چالیس احادیث کا پیش کرنا لوگوں کو سکھانا ان کو پڑھ کر سنانا باعث شفاعت مصطفیٰ ہے امید شفاعت رسول ﷺ رکھتے ہوئے اربعین کی ترتیب عمل میں لائی گئی ہے۔

اس کتاب کا متن صرف بخاری شریف سے لیا گیا ہے قدرے تشریح جو بیان کی گئی ہے وہ درج ذیل علماء کی تشریحات سے منتخب کی گئی ہے۔

۱......حضرت مولانا علامہ سید محمود احمد صاحب کی فیوض الباری۔

۲......علامہ غلام رسول رضوی شیخ الحدیث جامعہ رضویہ فیصل آباد۔

لہٰذا اس بیان کا سارا کریڈٹ انہی نفوس قدسیہ کو جاتا ہے۔

وما علینا الا البلاغ ......

علم حدیث کی تعریف، موضوع اور غرض

تعریفِ علمِ حدیث:

وہ علم ہے جس سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اقوال، افعال اور احوال معلوم ہو سکیں۔

موضوع:

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات کریمہ بحیثیت رسول خدا۔

غرض وغایت:

علم حدیث کی غرض وغایت سعادت دارین ہے۔

اقسام حدیث

ابتداء میں تین قسمیں ہیں۔

قولی......وہ حدیث جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور صحابہ یا تابعین کے قول سے متعلق ہو۔

فعلی......وہ حدیث جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور صحابہ یا تابعین کے فعل سے متعلق ہو۔

تقریری......وہ حدیث کہ حضور ﷺ کی بارگاہ میں کوئی کام کیا گیا یا کسی کام کی خبر دی گئی مگر آپ نے نہ جاری رکھنے کا حکم فرمایا اور نہ ہی کرنے سے منع فرمایا۔

مرفوع......جس حدیث میں حضور ﷺ کے اقوال، افعال اور تقریرات کا بیان ہو۔

موقوف......جس حدیث میں صحابہ کے اقوال، افعال اور تقریرات کا بیان ہو۔

مقطوع......جس حدیث میں تابعین کے اقوال، افعال اور تقریرات کا بیان ہو۔

متصل......جس حدیث کی سند سے کوئی راوی ساقط نہ ہو۔

معلق......جس حدیث کی سند کے شروع سے رواۃ کو حذف کر دیا جائے خواہ یہ حذف بعض کا ہو یا کل کا۔

مرسل......جس حدیث کی سند کے اخیر سے راوی کو ساقط کر دیا جائے مثلاً تابعی حضور سے

روایت کرے اور صحابی کو چھوڑ دے۔

معضل......درمیان سند سے دو متوالی راویوں کو چھوڑ دیا جائے۔

منقطع بمعنی اخص......دو سے زیادہ راویوں کو سند میں ایک جگہ سے یا دو راویوں کو متعدد جگہ سے چھوڑ دیا جائے۔

صحیح لذاتہ......جس حدیث کے تمام راوی متصل، عادل، تام الضبط ہوں اور وہ حدیث غیر شاذ اور غیر معلل ہو۔

صحیح لذاتہ......جس حدیث میں کمال ضبط کے سوا صحیح لذاتہ کی تمام صفات ہوں اور ضبط کی کمی تعدد طرق روایت سے پوری ہو جائے۔

حسن لذاتہ......جس حدیث میں کمال ضبط کے سوا صحیح لذاتہ کی تمام صفات ہوں اور یہ کمی تعدد طرق سے پوری نہ ہو۔

حسن لغیرہ......جو حدیث صحیح لذاتہ کی ایک سے زیادہ صفات سے قاصر ہو لیکن یہ کمی تعدد طرق روایت سے پوری ہو جائے۔

ضعیف......جو حدیث صحیح لذاتہ کی ایک سے زیادہ صفات سے قاصر ہو اور تعدد طرق سے کمی پوری نہ ہو۔

☆☆☆..................☆☆☆..................☆☆☆

حدیث نمبر1

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ يَقُوْلُ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَ اِنَّمَا لِكُلِّ امْرِئٍ مَّا نَوٰی فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهٗ اِلٰی دُنْيَا يُصِيْبُهَا اَوْ اِلٰی اِمْرَاَةٍ يَنْكِحُهَا فَهِجْرَتُهٗ اِلٰی مَا هَاجَرَ اِلَيْهِ۔(صحیح بخاری ۲/۱)

ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: کہ اعمال کا دارو مدار صرف نیتوں پر ہے۔اور انسان کے لئے وہی کچھ ہے جو اس نے نیت کی۔تو جس کی ہجرت دنیا کی طرف ہو کہ اس کو پہنچے۔یا کسی عورت کی طرف ہو کہ اس سے نکاح کرے تو اس کی ہجرت اسی کی طرف ہے جس کی طرف اس نے ہجرت کی۔

تشریح:

اعمال، عمل کی جمع ہے۔نیات، نیت کی جمع ہے۔اس کے معنی قصد وارادہ اور عزم کے ہیں۔امام نووی نے فرمایا: نیت دل کے ارادہ کو کہتے ہیں۔البتہ اہل تحقیق نے نیت وعزم میں فرق بیان کیا ہے وہ کہتے ہیں عزم وہ ارادہ ہے جو فعل سے مقدم ہو۔مثلاً یہ ارادہ کیا کہ کل ہم سفر کریں گے۔اور قصد وہ ارادہ ہے جو فعل سے متصل ہو اور مقترن ہو۔مثلاً سفر کا وہ ارادہ عین حالت سفر میں پایا جاتا ہے اور نیت وہ ارادہ ہے جو فعل سے متصل اور مقترن ہے اور یہ علم بھی اس کے ساتھ پایا جائے کہ فلاں چیز کا ارادہ کس لئے کیا جارہا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں: ہم میں ایک شخص تھا جس نے ام قیس نامی ایک عورت کو نکاح کا پیغام دیا۔ام قیس نے کہا جب تک تو مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت نہ کرے میں تیرے ساتھ نکاح نہیں کروں گی آخر اس شخص نے ہجرت کی اور نکاح کیا ہم اس شخص کو اس لئے مہاجر ام قیس کہا کرتے تھے (طبرانی) جس پر حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اعمال

صرف نیتوں سے ہیں اور جو شخص جس نیت سے ہجرت کرتا ہے۔وہی اس کے لئے ہے یعنی جس طرح کی بندے کی نیت ہوگی اسی طرح کا اجر اور ثواب اسے ملے گا۔(فیوض الباری)

حدیث نمبر2

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ بُنِیَ الْاِسْلَامُ عَلٰی خَمْسٍ شَهَادَةِ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَ اِقَامِ الصَّلٰوةِ وَ اِيْتَاءِ الزَّكٰوةِ وَ الْحَجِّ وَ صَوْمِ رَمَضَانَ ۔(صحیح بخاری ۴/۱)

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے حضور ﷺ نے فرمایا: اسلام کی بنا پانچ چیزوں پر ہے۔گواہی دینا، اس بات کی کہ خدا کے سوا کوئی سچا معبود نہیں اور حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔اور نماز پڑھنا، زکوۃ دینا، حج کرنا، اور رمضان کے روزے رکھنا۔

تشریح:

بُنِیَ: بِنٰی یَبْنِیْ سے ماخوذ ہے جس کے معنی بنیاد کے ہیں لفظ صلوٰۃ سولہ معنوں میں استعمال ہوتا ہے اصل لغت میں اس کے معنی سرین ہلانے کے ہیں اور شریعت میں ارکان مخصوصہ کے یعنی نماز پڑھنا، زکوۃ دینا کے معنی پاکیزگی وطہارت کے ہیں۔قرآن مجید میں ہے: قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰی اس کے معنی نشوونما کے بھی آتے ہیں جیسے کہتے ہیں: زکی الزرع یعنی کھیتی سرسبز وشاداب ہوگی اور شریعت میں زکوۃ کا مفہوم یہ ہے سال گزر جانے پر صرف خدا کے لئے شارع کی مقرر کردہ مقدار میں اپنے مال کا ایک حصہ دینا۔

حج: لغت میں قصد کرنے کو کہتے ہیں اور شریعت میں حج کا مفہوم یہ ہے کہ مخصوص مکان کی طرف مخصوص وقت میں شارع کے مقرر کردہ نظام کے مطابق قصد کرنا۔

صوم: کے معنی لغت میں رکنے کے ہیں۔خواہ کسی بھی چیز سے روکا جائے اور شریعت میں صوم کے معنی ہیں مسلمان کا بہ نیت عبادت صبح صادق سے غروب آفتاب تک اپنے آپ کو

قصداً کھانے پینے اور جماع سے باز رکھنا۔روزہ اور زکوۃ ۲ ہجری میں فرض ہوئے۔

مسائل حدیث:

اللہ عزوجل کی طرف سے اسلام کا جو آخری اور مکمل دستور ہمارے پاس آیا اس توحید خداوندی اور رسالت محمدی کی شہادت کے بعد نماز، زکوۃ، روزہ اور حج بیت اللہ کو ارکان اسلام قرار دیا ہے۔نماز فرض ہے اس کی فرضیت کا منکر کافر ہے جو قصداً چھوڑے اگر چہ ایک ہی وقت کی وہ فاسق ہے اور جو نماز نہ پڑھتا ہو اسے قید کیا جائے۔یہاں تک کہ توجہ کرے اور نماز پڑھنے لگے۔ائمہ ثلاثہ امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نزدیک سلطانِ اسلام کو اس کے قتل کا حکم ہے۔واضح ہو کہ ائمہ ثلاثہ تارک صلوٰۃ کے لئے جو قتل کا حکم دیتے ہیں تو یہ بطور تعزیر ہے اس لئے نہیں کہ ان کے نزدیک تارک صلوٰۃ کافر ہے بچے کی عمر جب سات برس ہو تو اس کو نماز پڑھنا سکھایا جائے اور جب دس برس کا ہو جائے تو مار کر پڑھوانا چاہیے۔(ترمذی) زکوۃ بھی فرض ہے اس کا منکر کافر ہے۔اور نہ دینے والا فاسق اور قتل کا مستحق ہے اور ادا میں تاخیر کرنے والا گنہگار اور مردود الشہادۃ ہے (روزہ) بھی فرض عین ہے اس کا منکر کافر ہے بلا عذر شرعی روزہ نہ رکھنے والا سخت گنہگار ہے اور عام طور پر کھلے بندوں روزہ کا احترام نہ کرنے والا مستحق تعزیر ہے۔(حج) سن ۹ ہجری میں فرض ہوا اس کی فرضیت بھی قطعی ہے اس کا منکر بھی کافر ہے۔عمر بھر میں صرف ایک مرتبہ حج فرض ہے ظاہر حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز روزہ، حج، زکوۃ میں سے کسی کا بھی تارک مسلم نہیں ہے لیکن اجماع اس امر پر منعقد ہو چکا ہے کہ ان میں سے کسی چیز کا محض تارک کافر نہیں ہوتا۔جب تک ان کی فرضیت کا انکار نہ کردے۔چنانچہ وہ حدیث جس کا مضمون یہ ہے:

جس نے قصداً نماز ترک کی وہ کافر ہے۔

یہ وعید اور زجر و توبیخ پر محمول ہے اس سے مراد کفرانِ نعمت ہے یا یہ حدیث مؤول ہے یعنی جو ان کے ترک کو حلال جانے وہ کافر ہے۔

☆☆☆.........☆☆☆.........☆☆☆

حدیث نمبر 3

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ وَ قَالَ اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِهٖ وَ يَدِهٖ وَ الْمُهَاجِرُ مَنْ هَجَرَ مَا نَهَى اللّٰهُ عَنْهُ۔(صحیح بخاری ۱/۶)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: مسلمان کی شان یہ ہے کہ اس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان سلامت رہیں۔اور مہاجر وہ ہے جو ان باتوں کو چھوڑ دے جس کی اللہ تعالیٰ نے ممانعت فرمائی۔

تشریح

اس حدیث مبارک میں مسلمان کی دو چیزوں کے بارے میں بیان ہوا ہے۔اول اس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان کو ایذاء نہ پہنچے، اگر چہ ایذاء ہاتھ کے بغیر بھی پہنچائی جا سکتی ہے مگر چونکہ افعال کا صدور زیادہ تر ہاتھ سے ہی ہوتا ہے اسی لئے ہاتھ کا خصوصیت سے ذکر فرمایا۔اور زبان کو ہاتھ سے پہلے اس لئے ذکر کیا کہ زبان کے ذریعہ ایذاء پہنچانا عامة الوقوع ہے اور زیادہ آسان ہے۔اس کے علاوہ زبان سے جو ایذاء پہنچائی جاتی ہے۔وہ زیادہ اشد اور تکلیف دہ ہوتی ہے۔اور یہ بھی کہ زبان سے حاضر و غائب قریب و بعید سب کو ایذاء پہنچائی جا سکتی ہے۔برخلاف ہاتھ کے وہ موجودین کے ساتھ خاص ہے حضور علیہ السلام کا یہ ارشاد پوری ملت کے لئے امن و چین کا ضامن ہے اس پر اگر عمل کیا جائے تو پھر کسی پولیس اور عدالت کی ضرورت نہیں پڑتی۔افسوس! کہ اگر ہم اپنے موجودہ حالات اور اپنے گرد و پیش پر نظر ڈالیں تو ایسا معلوم ہوگا کہ کوئی مسلمان دوسرے مسلمان کے ہاتھ اور زبان سے محفوظ نہیں ہے۔(الا ماشاء اللہ) خود غرضی، لالچ، دھوکہ فریب، خیانت، ظلم و حسد ہمارے معاشرے کی بڑی خرابیاں ہیں یہ مذکورہ حدیث شریف پر عمل کرنے سے دور ہو سکتی ہیں۔جب ایک مسلمان اپنا یہ دستور بنالے گا کہ بحیثیت مسلمان میرا یہ فرض ہے۔کہ دوسرے مسلمان کو میری کسی حرکت کی وجہ سے نقصان نہ پہنچے تو پھر معاشرہ امن و عافیت کا گہوارہ بن جائے گا۔

حدیث کا دوسرا حصہ، ہمیں مہاجر کی صحیح تعریف بتاتا ہے کہ صحیح معنوں میں مہاجر وہ ہے جو ان تمام باتوں سے باز آجائے جن کی اللہ ورسول نے ممانعت فرمائی ہے۔ خواہ ان میں کتنی ہی کشش کیوں نہ ہو۔ غرضیکہ پوری حدیث پر عمل کرنے سے ایک تو انسان کی اپنی روح کی صفائی ہوتی ہے۔ دوسرا معاشرہ میں امن وسکون قائم ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

حدیث نمبر 4

عَنْ قَتَادَةَ عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَ وَلَدِهٖ وَ النَّاسِ اَجْمَعِيْنَ۔

(صحیح بخاری کتاب الایمان ۱/۷)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کوئی مومن نہیں ہوسکتا جب تک میں اُسے اُس کے والد اور اولاد اور سب لوگوں سے زیادہ پیارا اور محبوب نہ ہو جاؤں۔

تشریح

اس حدیث کو امام مسلم اور امام نسائی نے بھی کتاب الایمان میں ذکر کیا ہے تمام انبیاء سے محبت رکھنا ان کی تعظیم وتوقیر کرنا اور ان کی نبوتوں پر ایمان لانا واجب ہے۔ بلکہ حضور ﷺ سے محبت تمام انبیاء کرام علیہم السلام سے محبت کو مستلزم ہے، بلکہ حضور علیہ السلام سے محبت تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے محبت کو بھی مستلزم ہے۔ حتّٰی، غایت کے بیان کے لئے آتا ہے۔ احب، اسم تفضیل کا صیغہ ہے یعنی کہ سب سے زیادہ محبت کرنا۔ لا یـــؤمـــن تم میں کوئی مومن نہیں ہوسکتا۔ جب تک کہ وہ مجھ کو ساری کائنات سے زیادہ محبوب نہ رکھے۔ اس کا مطلب قطعاً یہ ہی ہے کہ حضور ﷺ سے محبت کے بغیر ایمان کا پایا جانا ناممکن ہے ہر شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے فہم وعمل کی دولت دی ہے وہ یقین کے ساتھ جانتا ہے کہ جس کے ساتھ عقیدت ونیازمندی، ایمان میں داخل ہو۔ اور بغیر اس کے مانے ہوئے آدمی مومن نہ ہوسکے

اس کی محبت ساری کائنات سے زیادہ ضروری ہوگی۔ ماں، باپ، اولاد، عزیز واقارب کے انسان پر حقوق ہیں اور ان کا ادا کرنا لازم ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص ان سب کو بھول جائے اور اس کے دل میں ان کے لئے بالکل محبت والفت باقی نہ رہے اور ان سب سے بے تعلق ہو جائے تو اس کے ایمان میں خلل نہ آئے گا، کیونکہ ایمان لانے میں ماں باپ، عزیز واقارب کا ماننا ضروری نہیں ہے۔ لیکن رسول اکرم ﷺ کا ماننا مؤمن ہونے کے لئے ضروری ہے جب تک لا الٰہ الا اللہ کے ساتھ محمد رسول اللہ کا معتقد نہ ہو ہرگز مومن نہیں ہوسکتا تو اگر اس کا رشتہ محبت حضور ﷺ سے ٹوٹا تو یقیناً ایمان سے خارج ہوگیا۔ کیونکہ تصدیق رسالت محبت کے بغیر ہو ہی نہیں سکتی۔ اس لئے اسلام میں حضور اکرم ﷺ کی محبت کو سارے عالم سے زیادہ ضروری اور اسلام وایمان کی شرط اول قرار دیا گیا ہے۔

محبت، کئی قسم کی ہوتی ہے۔ محبتِ اجلال واحترام جیسے والدین سے محبت، رحمت وشفقت جیسے اولاد سے محبت۔ محبت احسان، کہ کسی نے آپ پر احسان کیا تو آپ کا دل اس کی طرف مائل ہوگیا۔ تو اس حدیث میں یہ بتایا گیا ہے کہ تمام قسم کی محبتوں پر حضور ﷺ کی محبت غالب ہونی چاہیے۔ کیونکہ مخلوقات میں آپ سے زیادہ شفیق، مہربان، فیاض، محسن اور محترم ہستی اور کون ہے؟ اس حدیث میں والد اور ولد کا ذکر محض اس لئے لایا گیا ہے کہ یہ شخصیتیں ایسی ہوتی ہیں۔ کہ انسان کو ان سے لامحالہ محبت ہوتی ہے اس حدیث کی تائید میں متعدد قرآنی آیات ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ "اگر تمہارے باپ، بیٹے، عورتیں، کنبہ، کمائی کا مال، تجارت جس میں نقصان کا تمہیں ڈر ہے اور تمہاری پسند کے مکان یہ چیزیں (اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ) اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول علیہ السلام اور اس کی راہ میں جہاد سے زیادہ عزیز ہوں تو انتظار کرو کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم لائے۔ یہ اور اس مضمون کی متعدد آیات ہیں جن میں یہ بتایا گیا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت، آباؤ اجداد، اولاد، عزیز واقارب، دوست احباب، مال ودولت، شوکت، حکومت، مسکن، وطن سب چیزوں کی محبت سے اور خود اپنی جان کی محبت سے زیادہ ضروری ولازم ہے۔ اگر ماں، باپ یا اولاد یا رشتہ دار اللہ ورسول کے ساتھ رابطہ عقیدت ومحبت نہ رکھتے ہوں تو ان سے دوستی ومحبت جائز نہیں۔

حدیث نمبر 5

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اِنَّ مَثَلِیْ وَ مَثَلَ الْاَنْبِیَآءِ مِنْ قَبْلِیْ كَمَثَلِ رَجُلٍ بَنٰی بَیْتًا فَاَحْسَنَهٗ وَ اَجْمَلَهٗ اِلَّا مَوْضِعَ لَبِنَةٍ مِنْ زَاوِیَةٍ فَجَعَلَ النَّاسُ یَطُوْفُوْنَ بِهٖ وَ یَتَعَجَّبُوْنَ لَهٗ وَ یَقُوْلُوْنَ هَلَّا وُضِعَتْ هٰذِهِ اللَّبِنَةُ قَالَ وَ اَنَا خَاتِمُ النَّبِیّٖنَ۔

(صحیح بخاری کتاب المناقب ۱/۵۰۱)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: میری مثال اور مجھ سے پہلے انبیاء کرام کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص نے مکان بنایا اور اسے بہت خوبصورت کیا مگر ایک کونہ میں ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی لوگ اس کو دیکھتے اور خوش ہوتے اور کہتے یہ ایک اینٹ کیوں نہیں رکھی گئی آپ ﷺ نے فرمایا وہ اینٹ میں ہوں اور میں خاتم النبیین ہوں۔

تشریح

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں اینٹ کی جگہ ایک کونہ میں ذکر کی ہے چنانچہ مسلم نے ہمام کے طریق سے من زوایا ذکر کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اینٹ مکان کے لئے بنیادی حیثیت نہیں رکھتی تھی کہ اس کے بغیر مکان کا وجود ختم ہو جائے بلکہ یہ اینٹ مکان کی خوبصورتی میں اضافہ کرتی تھی۔ اور مکان کو خوبصورت کرتی تھی۔ ورنہ لازم آئے گا کہ مکان اس کے بغیر ناقص رہے۔

حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ کیونکہ ہر نبی کی شریعت اس زمانے میں کاملہ تھی۔ تو مقصد یہ ہے کہ سید عالم ﷺ کی شریعت تمام شرائع سے اکمل اور احسن ہے۔ جبکہ پہلے نبیوں کی شریعتیں کامل اور حسن تھیں ۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مسئلہ کے افہام و تفہیم کے لئے مثال بیان کرنا مستحسن ہے اور ہمارے نبی کریم ﷺ تمام نبیوں سے افضل ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آپ پر قصرِ نبوت کی تکمیل کی ہے اور احکام دین کو مکمل کیا ہے یعنی آپ تمام نبیوں سے آخر میں آنے

والے ہیں اور تمام سے افضل اور اعلیٰ ہیں اور آپ کے بعد نبوت کا دروازہ بند ہو جاتا ہے آپ کے بعد اور کوئی نبی نہیں آنے والا۔ آپ آخری نبی ہیں۔

حدیث نمبر 6

عَنْ رَبِیْعَةَ بْنِ اَبِیْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ سَمِعْتُ اَنَسَ بْنَ مَالِكٍ یَصِفُ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ كَانَ رَبْعَةً مِّنَ الْقَوْمِ لَیْسَ بِالطَّوِیْلِ وَ لَا بِالْقَصِیْرِ اَزْهَرَ اللَّوْنِ لَیْسَ بِاَبْیَضَ اَمْهَقَ وَ لَا اٰدَمَ لَیْسَ بِجَعْدٍ قَطَطٍ وَ لَا سَبْطٍ رَجِلٍ اُنْزِلَ عَلَیْهِ وَ هُوَ ابْنُ اَرْبَعِیْنَ فَلَبِثَ بِمَكَّةَ عَشْرَ سِنِیْنَ یُنْزَلُ عَلَیْهِ وَ بِالْمَدِیْنَةِ عَشْرَ سِنِیْنَ وَ قُبِضَ وَ لَیْسَ فِیْ رَاْسِهٖ وَ لِحْیَتِهٖ عِشْرُوْنَ شَعْرَةً بَیْضَآءَ قَالَ رَبِیْعَةُ فَرَاَیْتُ شَعْرًا مِّنْ شَعْرِهٖ فَاِذَا هُوَ اَحْمَرُ فَسَاَلْتُ فَقِیْلَ اِحْمَرَّ مِنَ الطِّیْبِ۔

(صحیح بخاری کتاب المناقب ۱/۵۰۲)

ترجمہ: حضرت ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن نے کہا میں نے انس بن مالک کو نبی اکرم ﷺ کی صفت بیان کرتے ہوئے سنا کہ نبی کریم ﷺ لوگوں میں درمیانہ قد تھے نہ زیادہ لمبے اور نہ پست قد تھے، نہ بالکل سفید تھے اور نہ گندمی رنگ تھا۔ سر مبارک کے بال زیادہ بل کھائے نہ تھے اور نہ بالکل سیدھے (آپ کے بال شکن دار تھے) آپ پر وحی نازل ہونی شروع ہوئی جبکہ آپ کی عمر شریف چالیس برس تھی آپ اس کے بعد مکہ مکرمہ میں دس برس رہے اور آپ پر قرآن نازل ہوتا رہا، مدینہ منورہ میں دس برس رہے آپ کے سر مبارک اور داڑھی شریف میں بیس بال بھی سفید نہ تھے۔ ربیعہ نے کہا میں نے آپ کے بالوں میں سے ایک بال دیکھا تو وہ سرخ تھا میں نے پوچھا تو کہا گیا کہ یہ بال خوشبو کے استعمال سے سرخ ہو گیا ہے۔

تشریح

لیس بالطول ولا بالقصر کی تفسیر یہ ہے کہ آپ کا قد درمیانہ تھا زیادہ لمبا نہ تھا کیونکہ

لمبا قد عیب شمار ہوتا ہے۔رب کو منظور نہ تھا کہ آپ میں یہ عیب ہو۔ازھر اللون کا معنی سرخی مائل ہے کیونکہ خالص سفید رنگ میں خوبصورتی نہیں ۔آپ ابیض ،امہق ، نہ تھے یعنی خالص سفید نہ تھے بلکہ اس میں سرخ جھلک تھی ۔اس میں بہت خوبصورتی ہے اور آپ کا رنگ زیادہ گندمی بھی نہ تھا عرب اس کو اسمر کہتے تھے ۔اس لئے بعض احادیث میں اسمر مذکور ہے ۔ان میں کثیر مختلف روایات ہیں ان کا بغور مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سمرہ سے مراد وہ سرخی ہے جس میں سفیدی کی جھلک ہو۔

اور بیاض سے مراد وہ سفیدی ہے جس میں سرخی کی جھلک ہو یعنی آپ کا رنگ نہ زیادہ سفید اور نہ زیادہ سرخ بلکہ سرخ اور سفید ملا جلا تھا۔

بجعد قطط: جعد کا معنی پیچ دار ،قطط کا معنی سخت پیچ دار اور سبط کا معنی سیدھے ۔یعنی حضور اکرم ﷺ کے بال مبارک نہ زیادہ پیچ دار تھے اور نہ زیادہ سیدھے، بلکہ ان دونوں کے درمیان تھے ،ترمذی میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ سید عالم ﷺ کے سر مبارک کے بال شریف نہ تو زیادہ بل کھائے ہوئے ہے اور نہ بالکل سیدھے بلکہ سیدھے پیچدار تھے ایسے بال خوبصورت ہوتے ہیں اکثر علماء نے کہا کہ سید عالم ﷺ پر چالیس برس کی عمر شریف میں وحی نازل ہوئی بعض نے کہا کہ چالیس برس دس دن کے بعد نازل ہوئی الحاصل: چالیس سال کے بعد سترہ رمضان میں پیر کے روز آپ پر وحی نازل ہونی شروع ہوئی بعض نے سات رمضان اور بعض نے چوبیس رمضان ذکر کیا ہے اور آپ مکہ مکرمہ میں تیرہ برس رہے اور مدینہ طیبہ میں دس برس ، کیونکہ وفات کے وقت آپ کی عمر شریف تریسٹھ برس تھی سید عالم ﷺ کے سر مبارک اور داڑھی مبارک میں بیس سفید بال نہ تھے بلکہ اس سے کم تھے اگر یہ سوال پوچھا جائے کہ بیہقی میں حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ ابن حبان نے بھی اسے ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بیس بال سفید تھے حضرت انس کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے دس سے زیادہ اور بیس سے کم تھے اور عبداللہ بن بسر کی حدیث کا مدلول یہ ہے کہ دس بال سفید تھے کیونکہ راویوں نے عشر شعرات کہا ہے اور یہ جمع قلت کا صیغہ ہے اور وہ دس کی تعداد سے آگے نہیں بڑھتی اس کا جواب یہ ہے کہ بسر کی حدیث کا محمل عنفقہ کے بال ہیں اور جو اس سے

زیادہ تھے وہ صدغین میں تھے جیسا کہ حضرت براء بن عاذب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں ہے اگر یہ سوال پوچھا جائے کہ ابن سعد نے صحیح اسناد کے ساتھ...... کے ذریعے انس سے روایت کی ہے کہ آپ کی داڑھی میں بیس سے زیادہ سفید بال نہ تھے۔

حدیث نمبر 7

عَنْ طَارِقِ بْنِ شِهَابٍ قَالَ سَمِعْتُ عُمَرَ يَقُوْلُ قَامَ فِيْنَا النَّبِيُّ ﷺ مَقَامًا فَاَخْبَرَنَا عَنْ بَدْءِ الْخَلْقِ حَتّٰى دَخَلَ اَهْلُ الْجَنَّةِ مَنَازِلَهُمْ وَ اَهْلُ النَّارِ مَنَازِلَهُمْ حَفِظَ ذٰلِكَ مَنْ حَفِظَهُ وَ نَسِيَهُ مَنْ نَسِيَهُ ۔

(صحیح بخاری کتاب العلم ۱/۴۵۳)

ترجمہ: طارق بن شہاب سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ نبی کریم ﷺ نے ہمارے درمیان کھڑے ہو کر مخلوق کو ابتداء سے بیان کرنا شروع کیا حتی کہ جنتی اپنے منازل میں اور دوزخی اپنی جگہوں میں داخل ہو گئے اس کو کسی نے یاد رکھا کسی نے یاد نہ رکھا۔

تشریح

علامہ عینی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا امام احمد اور مسلم نے ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ نبی کریم ﷺ نے ایک مقام میں منبر پر کھڑے ہو کر خطبہ دیا حتی کہ نماز کا وقت ہو گیا آپ نے منبر سے اُتر کر ظہر کی نماز پڑھی پھر منبر پر تشریف لائے اور خطبہ دیا پھر عصر کی نماز پڑھی حتی کہ سورج غائب ہو گیا آپ نے ان خطابات میں جو کچھ ہو چکا تھا اور جو کچھ قیامت تک ہونے والا تھا سب بیان فرما دیا ہم سے زیادہ عالم ان کو یاد کرنے والا تھا۔اگر یہ سوال کیا جائے کہ ان روایات میں اس بات کی تصریح ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صبح کی نماز سے نماز مغرب تک جو کچھ کائنات میں ہونے والا اور مقدر ہے سب کو بیان کر دیا حتی کہ اہل جنت کے جنت میں اور اہل نار کے نار میں داخل ہونے تک سب کچھ بیان فرمایا۔اتنے قلیل وقت میں قیامت تک ہونے والی ہر شے کا بیان کرنا عقل سے بعید ہے۔اس کا جواب یہ ہے کہ جو

عقل کے نزدیک محال ہو ضروری نہیں کہ وہ شرعاً بھی محال ہو۔ خرق والتیام عقلاً محال ہے شرعاً ممکن اور جائز ہے ورنہ باب نبوت مسدود ہوگا کیونکہ جبرائیل علیہ السلام تمام آسمانوں میں سے گزرتے ہوئے انبیاء علیہم السلام کے پاس وحی لاتے تھے اور معراج کی شب میں ام ہانی کے مکان کی چھت کو پھاڑ کر داخل ہوئے جو خود بخود مل گئی۔ جب یہ ثابت ہے کہ جو عقلاً محال ہو ضروری نہیں کہ وہ شرعاً بھی محال ہو تو قیامت تک تمام ہونے والے امور کو بیان کرنا ممکن ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اشعۃ اللمعات میں ذکر کیا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب اونٹ پر سوار ہونے لگتے اور رکاب پر قدم رکھ کر قرآن شریف پڑھنا شروع کرتے تو دوسرا قدم دوسری رکاب میں رکھنے تک سارا قرآن کریم ختم کر لیتے تھے حالانکہ عقل کے نزدیک یہ بعید تر ہے۔ جب اقل قلیل وقت میں سارے قرآن کریم کی تلاوت ممکن ہے تو صبح سے مغرب تک قیامت تک کے احوال بیان کر دینے بھی ممکن ہیں۔ اس حدیث سے اور ان تمام باتوں سے روز روشن کی طرح یہ بات عیاں ہے کہ حضور کو علم غیب حاصل تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو علم غیب عطا فرمایا تھا۔ جس...... وہ قیامت تک کے ہونے والے تمام امور بتا رہے تھے جو واقعات پہلے گزر چکے تھے حضور نے ان کے بارے میں بھی بتایا اور جو آنے والے تھے اُن کے بارے میں بھی بتایا اس سے ثابت ہوا کہ حضور کو رب تعالیٰ نے علم غیب سے نوازا تھا۔

حدیث نمبر 8

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ ﷺ لَا حَسَدَ اِلَّا فِی اثْنَتَیْنِ رَجُلٌ اٰتَاہُ اللّٰہُ مَالًا فَسَلَّطَہٗ عَلٰی ھَلَکَتِہٖ فِی الْحَقِّ وَ رَجُلٌ اٰتَاہُ اللّٰہُ الْحِکْمَۃَ فَھُوَ یَقْضِیْ بِھَا وَ یُعَلِّمُھَا۔

(صحیح بخاری کتاب العلم ۱/۱۷)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: رشک

جائز نہیں مگر دو باتوں میں۔ اول...... جس کو اللہ نے دولت دی اور وہ اس کو نیک کاموں میں خرچ کرتا۔ دوم...... جس کو اللہ تعالیٰ نے حدیث کا علم دیا اور وہ اس کے موافق فیصلہ کرتا ہے اور تعلیم دیتا ہے۔

تشریح

اس حدیث کو امام بخاری نے کتاب الزکوٰۃ، احکام، اعتصام میں بھی ذکر کیا اور امام مسلم نے کتاب الزکوٰۃ، امام نسائی نے کتاب العلم میں اور امام ابن ماجہ نے کتاب الزھد میں۔

لاحسد سے مراد یہاں غبطہ ہے یعنی رشک کرنا۔ حضور سید عالم نور مجسم ﷺ نے فرمایا دو باتیں ایسی ہیں جن میں رشک کیا جا سکتا ہے وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے مال و دولت دی اور وہ اس کو مصارف میں خرچ کرتا ہے۔ وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے علم دین کی دولت عطاء فرمائی اور وہ اس کے مطابق فیصلے دے یہ دو باتیں ایسی ہیں جو قابل تمنا و رشک ہیں۔ رشک اگر نیک باتوں پر کیا جائے تو یہ محمود ہے اسی کے متعلق فرمایا: فلیتنافس المتنافسون اور اگر رشک معصیت اور برائیوں پر کیا جائے تو یہ مذموم ہے۔ اس کے بارے میں فرمایا: لاتنافسوا یعنی کسی کو برائی کرتے دیکھ کر رشک مت کرو اور امر مباح میں رشک کرنا مباح ہے اور حسد حرام ہے۔ احادیث میں اس کی مذمت وارد ہوئی ہے حسد کے یہ معنی ہیں کسی شخص میں خوبی دیکھی اس کو اچھی حالت میں پایا اور اَب دل میں یہ آرزو کی جائے کہ یہ نعمت اس سے جاتی رہے اور مجھے مل جائے۔ اس حدیث میں دولت نیکی کے راستے میں خرچ کی جائے اور علم کے بارے میں ہے کہ جو علم حدیث پڑھے اور پھر دوسروں تک پہنچائے تو اس کے لئے بہت اجر و ثواب ہے کیونکہ وہ بندہ فرمانِ رسول ﷺ کو سنتا ہے اور اسے دوسروں تک پہنچاتا ہے اس کے لئے بہت اجر ہے۔

حدیث نمبر 9

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ تَسَمُّوْا بِاِسْمِیْ وَ لَا تَکْتَنُوْا بِکُنْیَتِیْ وَ مَنْ رَاٰنِیْ فِی الْمَنَامِ فَقَدْ رَاٰنِیْ فَاِنَّ الشَّیْطَانَ لَا یَتَمَثَّلُ

فِيْ صُوْرَتِيْ وَمَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ۔

(صحیح بخاری کتاب العلم ۱؍۲۱)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میرے نام پر نام رکھو لیکن میری کنیت مت رکھو۔ جس نے مجھے خواب میں دیکھا اس نے درحقیقت مجھے ہی دیکھا۔ کیونکہ شیطان میری صورت نہیں بن سکتا۔ اور جس نے مجھ پر قصداً جھوٹ باندھا وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنائے۔

تشریح

امام بخاری نے اس حدیث کو کتاب الادب میں بھی ذکر کیا ہے اور امام مسلم نے مقدمۃ الکتاب میں ذکر فرمایا ہے۔

(لا تکتنوا: یہ باب تفعیل سے یا فعل سے یا افتعال سے ہے، کنایہ کے اصل معنی یہ ہیں کہ کسی چیز کو ذکر کیا جائے اور مراد اس کا غیر ہو۔ اسم علم۔ اگر مدح یا ذم کا اظہار کرے تو اس کو لقب سے موسوم کرتے ہیں۔ اور اگر مدح و ذم کا اظہار نہ کرے بلکہ اس سے ماں یا باپ کا ہونا ظاہر ہو تو اس کو کنیت کہتے ہیں اور اگر یہ بھی نہ ہو تو اس کو اسم کہتے ہیں۔

مثلاً حضور سید عالم ﷺ کا اسم مبارک محمد ﷺ ہے اور کنیت ابوالقاسم ہے اور لقب آپ کے بہت ہیں مثلاً سید المرسلین امام النبیین وغیرہ وغیرہ۔

اس حدیث میں چار امور بیان ہوئے ہیں۔ اول...... حضور علیہ السلام کے نام پر نام رکھنا دوم...... حضور علیہ السلام کی کنیت پر کنیت رکھنا۔ سوم...... حضور علیہ السلام کو خواب میں دیکھنا۔ چہارم...... آپ پر جھوٹ باندھنا۔

اول و دوم...... اہل ظاہر نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ حضور علیہ السلام کی کنیت کو اختیار کرنا مطلقاً منع ہے۔ خواہ بیٹے کا نام محمد و احمد رکھا ہو یا نہ رکھا ہو۔ امام شافعی کا مسلک بھی یہی ہے۔ قاضی عیاض نے فرمایا کہ بعض اہل علم نے کہا کہ بیٹے کا نام قاسم رکھنا منع ہے کیونکہ جب بیٹے کا نام قاسم ہوگا تو یہ بات سبب بنے گی ابوالقاسم کنیت رکھنے کی۔ کیونکہ

حضور علیہ السلام نے "انما انا قاسم" فرما کر اس امر کا اظہار کیا ہے کہ ابوالقاسم کنیت میرے ساتھ خاص ہے۔

اہل علم کی ایک جماعت کا قول یہ ہے کہ جب بیٹے کا نام محمد یا احمد نہ ہو تو کنیت ابوالقاسم رکھنا جائز ہے لیکن اگر بیٹے کا نام محمد اور احمد ہو تو کنیت ابوالقاسم رکھنا منع ہے۔ لیکن جمہور سلف اور علماء کا مسلک یہ ہے کہ یہ نہی اب منسوخ ہے یا یہ حکم حضور ﷺ کی حیات ظاہری تک تھا۔ اس کے بعد نہیں رہا، یہی وجہ ہے کہ سلف نے اپنے بچوں کا نام محمد، احمد اپنی کنیت ابوالقاسم رکھی۔ دراصل حضور علیہ السلام نے اپنی کنیت رکھنے سے منع اس لئے فرمایا تھا کہ بعض لوگ ابوالقاسم کہہ کر پکارتے تو حضور علیہ السلام ان کی طرف متوجہ ہوتے تو وہ جواب دیتے کہ ہم نے آپ کو نہیں بلایا، یہود از راہ شرارت ابوالقاسم کہہ کر آواز دیتے اور جب حضور جواب دیتے تو کہتے ہم نے آپ کو نہیں بلایا اس لئے حضور نے اپنے زمانہ مبارک میں مذکورہ بالا حکم دیا۔ جو حضور ﷺ کی حیات ظاہری تک تھا اس کے بعد یہ حکم باقی نہ رہا۔ چنانچہ اس کی تائید حدیث ابوداؤد سے بھی ہوتی ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے عرض کی۔ حضور! کیا آپ کی وفات کے بعد میں اپنے بچوں کا نام محمد اور اپنی کنیت ابوالقاسم رکھ سکتا ہوں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا ہاں!

حضور علیہ السلام کو خواب میں دیکھنا۔ حضور علیہ السلام کی خواب میں زیارت کرنا بڑی فضیلت کی بات ہے۔ اور حق یہ ہے کہ خواب میں شیطان حضور علیہ السلام کی صورت میں نہیں آ سکتا۔ لہذا جس کو زیارت نبوی کا شرف حاصل ہوا اس کو یقین کر لینا چاہیے کہ اس نے حضور علیہ السلام ہی کی زیارت کی۔ یہ حدیث مختلف طرق کے ساتھ......

حضور علیہ السلام پر جھوٹ باندھنا اور حدیثیں گڑھنا اور اس کو حضور علیہ السلام کی طرف منسوب کر دینا اشد کبائر ہے اور اس کی سزا جہنم ہے اسی طرح حضور علیہ السلام کی خواب میں زیارت نہ ہوا اور جھوٹ موٹ کہہ دینا کہ میں نے زیارت کی ہے یہ بھی اس وعید میں داخل ہے امام نووی فرماتے ہیں: کہ اگر کسی راوی کا ایک مرتبہ بھی عمداً کذب ثابت ہو جائے تو اس کی تمام روایتیں رد کی جائیں گی۔ بہر حال یہ وعید علماء و واعظین حضرات کو بھی ہدایت کرتی ہیں کہ

وہ حدیث کے بیان کرنے میں کامل احتیاط سے کام لیں اور جو نپا تلا مضمون حدیث ہے اسی کو وعظ میں بیان کریں اور اپنی طرف سے حدیث میں کسی لفظ کی کمی یا زیادتی نہ کریں۔البتہ وعظ میں یا پڑھاتے وقت اصل حدیث کو پیش کرکے اس کی تشریح وتوضیح کرنا اور الفاظ حدیث سے استدلال اور استنباط کرنا اور اس کے مسائل ومعارف ونکات کو بیان کرنا جائز ہے بلکہ محمود ومطلوب ہے۔

حدیث نمبر 10

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ یَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ لَا تُقْبَلُ صَلٰوۃُ مَنْ اَحْدَثَ حَتّٰی یَتَوَضَّأَ قَالَ رَجُلٌ مِّنْ حَضْرَ مَوْتَ مَا الْحَدَثُ یَا اَبَا ھُرَیْرَۃَ قَالَ فُسَاءٌ اَوْ ضُرَاطٌ۔

(صحیح بخاری کتاب الوضوء ۱/۲۵)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص کو حدث لاحق ہو اس کی نماز قبول نہیں ہوتی، جب تک وضو نہ کرے ایک شخص جو حضر موت کے رہنے والے تھے انہوں نے پوچھا ابو ہریرہ حدیث کسے کہتے ہیں؟ کہا پھسکی یا گوز کو۔

تشریح

امام بخاری نے اس حدیث کو باب ترک الحیل میں بھی ذکر کیا ہے۔امام مسلم وترمذی وابوداؤد نے کتاب الطہارت میں ذکر کیا ہے۔

فســـاء اس ریح کو کہتے ہیں جو پاخانہ کے مقام سے نکلے اور اس میں آواز نہ ہو اور جس میں آواز ہو اس کو ضراط کہتے ہیں۔لا تقبل صلاۃ، قبول کے حقیقی معنٰی یہ ہیں کہ عمل کا ثواب ملے اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل ہو اور فرض ذمہ سے ساقط ہو جائے لیکن یہاں قبول کے حقیقی معنٰی مراد نہیں بلکہ قبول کے معنٰی صحت کے ہیں۔اور لا تقبل صلاۃ کے معنٰی یہ ہیں کہ بے وضو کی نماز صحیح نہیں ہوتی اور یہ جو حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا کہ جو کاہن کے پاس جائے اس

کی نماز قبول نہیں۔یہاں قبول کے حقیقی معنٰی مراد ہیں یعنی ایسے شخص کی نماز تو صحیح ہے مگر بارگاہ خداوندی میں شرف قبولیت حاصل نہیں کرتی اور ثواب نہیں ملتا۔معلوم ہوا کہ ہر مقبول عمل صحیح ہوتا ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ ہر عمل مقبول بھی ہو۔صلاۃ سے ہر قسم کی نماز مراد ہے خواہ وہ فرض نماز ہو یا سنت یا واجب۔ہر نماز کی صحت......طہارت پر موقوف ہے۔

من احدث کا معنٰی یہ ہے کہ جس نے حدث کو پایا۔حدثِ اکبر جنابت، حیض، نفاس ہے اس سے غسل فرض ہوتا ہے اور حدثِ اصغر وہ چیزیں جن سے وضو لازم آتا ہے۔جیسے مرد وعورت کے آگے یا پیچھے سے منی، مذی یا ودی یا پاخانہ یا پیشاب کا نکلنا یا پیچھے سے ہوا کا خارج ہونا۔مطلب یہ ہے کہ جس شخص کو حدث ہو تو جب تک وہ حدث کو دور نہ کرے اس وقت تک اس کی نماز صحیح نہیں ہوگی۔حتی توضاء۔یہ نفی قبول کی غایت کا بیان ہے کہ نماز اس کی صحیح ہوگی جو کہ وضو کرکے نماز پڑھے اور اگر پانی پر قدرت نہ ہو تو تیمم کرے کیونکہ تیمم وضو کے قائم مقام ہے۔حضور ﷺ نے فرمایا:

......الطیب وضوء المسلم۔پاک مٹی مسلمان کا وضو ہے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صرف پیچھے سے ہوا خارج ہونے کو حدث کیوں کہا ہے، حالانکہ پاخانہ وپیشاب کا خارج ہونا بھی حدث ہے۔شارحین نے اس سوال کے متعدد جواب دیئے ہیں۔اول۔سائل کو چونکہ باقی انواع حدث کا علم تھا اس لئے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صرف ہوا خارج ہونے پر اکتفاء اس لئے کیا کہ جب ہوا کا خارج ہونا حدث ہے تو اگر اس کی جگہ پیشاب یا پاخانہ یا منی وغیرہ خارج ہو تو وہ بطریق اولیٰ حدث ہوگا۔

سوم......حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقصد حصر نہیں ہے کہ صرف فساء وضراط ہی حدث ہے۔

چہارم......یہ کہ سائل نے پوچھا تھا کہ نماز کے اندر حدث کیا ہوتا ہے تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بتایا کہ نماز میں حدث یہ ہے کہ ہوا خارج ہو جائے کیونکہ پاخانہ وپیشاب عموماً نماز میں نہیں آتے تو ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سائل کے سوال کے مطابق جواب

دے دیا۔ حدیث ہذا مسائل ذیل پر مشتمل ہے ہر قسم کی نماز کے لئے وضو شرط ہے خواہ نماز فرض ہو یا واجب، جنازہ کی نماز ہو یا عیدین کی اور اس مسئلہ میں علماء امت کا اجماع بھی ہے بعض شافعیہ اور جمہور کا مذہب یہ ہے کہ جس نے قصداً بے وضو نماز پڑھی وہ سخت گنہگار ہے اور امام اعظم کے نزدیک ایسا شخص کافر ہے اور یہ حقیقت ہے کہ جو شخص از راہِ تمسخر و استہزاء بے وضو نماز پڑھے وہ کافر ہے۔

حدیث نمبر 11

عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَتْ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فِيْ بَعْضِ اَسْفَارِهٖ حَتّٰى اِذَا كُنَّا بِالْبَيْدَاءِ اَوْ بِذَاتِ الْجَيْشِ اِنْقَطَعَ عِقْدٌ لِّيْ فَاَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَلَى الْتِمَاسِهٖ وَ اَقَامَ النَّاسُ مَعَهٗ وَلَيْسُوْا عَلٰى مَآءٍ فَاَتَى النَّاسُ اِلٰى اَبِيْ بَكْرِنِ الصِّدِّيْقِ فَقَالُوْا اَلَا تَرٰى مَاصَنَعَتْ عَائِشَةُ اَقَامَتْ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ وَ النَّاسِ وَلَيْسُوْا عَلٰى مَآءٍ وَّ لَيْسَ مَعَهُمْ مَآءٌ فَجَآءَ اَبُوْبَكْرٍ وَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَاضِعٌ رَاْسَهٗ عَلٰى فَخِذِيْ قَدْ نَامَ فَقَالَ حَبَسْتِ رَسُوْلَ اللّٰهِ وَ النَّاسَ وَ لَيْسُوْا عَلٰى مَآءٍ وَّ لَيْسَ مَعَهُمْ مَآءٌ فَقَالَتْ عَائِشَةُ فَعَاتَبَنِيْ اَبُوْبَكْرٍ وَّ قَالَ مَا شَآءَ اللّٰهُ اَنْ يَّقُوْلَ وَ جَعَلَ يَطْعَنُنِيْ بِيَدِهٖ فِيْ خَاصِرَتِيْ فَلَا يَمْنَعُنِيْ مِنَ التَّحَرُّكِ اِلَّا مَكَانَ رَسُوْلِ اللّٰهِ عَلٰى فَخِذِيْ فَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ حِيْنَ اَصْبَحَ عَلٰى غَيْرِ مَآءٍ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ اٰيَةَ التَّيَمُّمِ "فَتَيَمَّمُوْا" فَقَالَ اُسَيْدُ ابْنُ الْحُضَيْرِ مَا هِيَ بِاَوَّلِ بَرَكَتِكُمْ يَا اٰلَ اَبِيْ بَكْرٍ قَالَتْ فَبَعَثْنَا الْبَعِيْرَ الَّذِيْ كُنْتُ عَلَيْهِ فَاَصَبْنَا الْعِقْدَ تَحْتَهٗ

(صحیح بخاری کتاب التیمم ۱/۴۸)

ترجمہ: ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں ہم

رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں گئے یہاں تک کہ جب بیداء یا ذات الجیش میں پہنچے تو میرا ہار گر گیا، رسول اللہ ﷺ اس کی تلاش میں ٹھہر گئے اور لوگ بھی، وہاں پانی نہ تھا لوگ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئے اور کہنے لگے، تم نے دیکھا کہ عائشہ نے کیا کیا؟ حضور ﷺ کو اور سب لوگوں کو ٹھہرا لیا اور نہ یہاں پانی ہے نہ لوگوں کے پاس پانی ہے یہ سن کر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آئے اور حضور علیہ السلام میرے زانو پر سر رکھے ہوئے آرام فرماتے تھے اور کہا تو نے رسول اللہ ﷺ اور لوگوں کو روک لیا ہے حالانکہ نہ یہاں پانی ہے اور نہ لوگوں کے ساتھ پانی ہے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجھ پر عتاب کیا اور جو چاہا اللہ نے وہ انہوں نے کیا اور اپنے ہاتھ سے میری کوکھ میں کونچنا شروع کیا اور مجھے حرکت کرنے سے کوئی چیز مانع نہ تھی مگر حضور علیہ السلام کا میرے زانو پر آرام فرمانا تو جب صبح ہوئی اسی جگہ جہاں پانی نہ تھا حضور علیہ السلام اُٹھے اللہ تعالیٰ نے تیمم کی آیت نازل فرمائی اور لوگوں نے تیمم کیا۔
اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے کہا اے آلِ ابوبکر! یہ کوئی تمہاری پہلی برکت نہیں یعنی ایسی برکتیں تم سے ہوتی ہی رہتی ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں پھر ہم نے سواری کا اونٹ اٹھایا جس پر میں سوار تھی تو اس کے نیچے سے ہار مل گیا۔

تشریح

اس حدیث کو امام بخاری نے کتاب النکاح و تفسیر و محاربین میں ذکر کیا اور امام مسلم و نسائی نے کتاب الطہارت میں۔ بیداء اور ذات الجیش: یہ دونوں مکہ اور مدینہ کے درمیان واقع ہیں اَوْ کا کلمہ شک کے لئے ہے یعنی ان دونوں مقاموں میں ایک مقام پر جب قیام ہوا تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ہار گم ہو گیا۔ ہار کی وجہ سے وہاں ٹھہرنا پڑا۔ اور وہاں پانی نہ تھا، لوگوں نے تلاش بھی کیا مگر نہ ملا تا آنکہ تیمم کا حکم آ گیا اور اس ہار کے گم ہونے اور وہاں پر حضور علیہ السلام کے قیام فرمانے کی وجہ سے تیمم کا مسئلہ معلوم ہو گیا۔ (۲) اسید بن حضیر نے کہا یہ تیمم کی رخصت اور آسانی جو ہمیں ملی ہے اس کا سبب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا گھرانہ

ہے اور یہ کوئی نئی بات نہیں ایسی کئی برکتیں ان کے گھرانے کے سبب سے ہمیں ملی ہیں اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کا عقیدہ تھا کہ نیک اور صالح افراد اللہ کی رحمتوں اور برکتوں کا سبب بنتے ہیں اور ان کے وجود کی برکت سے مشکلیں آسان ہوتی ہیں۔(۳) یہ کہ سفر غزوہ بنی المصطلق کا تھا جس کو غزوہ مریسیع بھی کہتے ہیں جو ۶ ہجری میں ہوا تھا قصہ افک بھی اسی میں ہوا تھا۔(۴) یہ ہار جو گم ہوا کہتے ہیں اس کی قیمت بارہ درہم تھی۔(۵) یہ بھی معلوم ہوا کہ وضو اس آیت کے اُترنے سے پہلے واجب تھا یہی وجہ ہے کہ ایسے مقام پر ٹھہرنا صحابہ کو ناگوار ہوا جہاں پانی نہ تھا۔ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی بنا پر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر عتاب فرمایا کہ اس جگہ قیام کا سبب وہی تھیں۔(۶) چنانچہ تمام اہل مغازی نے اتفاق کیا ہے کہ حضور علیہ السلام نے جب سے نماز فرض ہوئی وضو ہی سے پڑھی ہے۔(۷) آیت میں فتیمموا کے لفظ سے معلوم ہوا کہ تیمم میں نیت فرض ہے تمام آئمہ کا یہی قول ہے کیونکہ فتیمموا کے معنٰی اقصدوا کے ہیں البتہ امام زفر اور اوزاعی کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ وہ تیمم میں نیت ضروری نہیں سمجھتے۔(۸) مال کا تلف کرنا منع ہے اگرچہ وہ معمولی قیمت کا ہو ہار گم ہوا تو حضور علیہ السلام نے اس کو تلاش کرنے کی ہدایت کی۔(۹) تیمم کے معاملہ میں تندرست اور بیمار مسافر اور مقیم، محدث اور جنبی سب برابر ہیں یعنی جب بھی پانی پر قدرت نہ ہو ان سب کو تیمم کرنا جائز ہے۔(۱۰) عورتوں کے ساتھ بحالت امن سفر کرنا جائز ہے اور شوہر کو اختیار ہے کہ جس بیوی کو چاہے اپنے ساتھ لے جائے البتہ جب متعدد بیویاں ہوں تو قرعہ اندازی کے ذریعہ انتخاب کرنا مستحب ہے۔(۱۱) عورتوں کو زیب و زینت کے لئے زیور وغیرہ پہننا جائز ہے۔

حدیث نمبر 12

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ حَدَّثَنِیْ اَبُوْ سُفْيَانَ ابْنُ حَرْبٍ فِیْ حَدِيْثِ هِرَقْلَ فَقَالَ يَأْمُرُنَا يَعْنِی النَّبِیَّ ﷺ بِالصَّلٰوةِ وَ الصِّدْقِ وَالْعَفَافِ۔

(صحیح بخاری کتاب الصلوۃ ۱/۵۰)

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا مجھ سے ابوسفیان بن حرب

نے بیان کیا ہرقل کے قصہ میں۔ ابوسفیان نے کہا: وہ یعنی حضور علیہ السلام ہمیں نماز پڑھنے، سچ بولنے اور حرام سے بچنے کا حکم فرماتے تھے۔

تشریح

لغت میں صلوٰۃ کے معنٰی دعا کے ہیں قرآن پاک میں فرمایا: وصل علیهم حدیث میں ہے وان کان صائما فلیصل۔ اس آیت اور حدیث میں صلوٰۃ بمعنٰی دعا ہے امام نووی نے فرمایا صلوٰۃ کا اشتقاق صلوین سے ہے اور صلوین سرین کی دو ہڈیوں کو کہتے ہیں۔

علامہ قسطلانی نے فرمایا صلوٰۃ صلی سے مشتق ہے جس کے معنٰی بانس کو انگاروں پر رکھ کر سیدھا کرنا ہے بعض نے کہا صلوٰۃ کے اصل معنٰی رحمت کے ہیں۔ لہذا صلوٰۃ کو صلوٰۃ اس لئے کہتے ہیں کہ یہ رحمت ہے یا اس لئے کہ اس میں نمازی رکوع و سجود میں اپنی سرین ہلاتا ہے یا اس لئے کہ صلوٰۃ سے راہِ راست پر آجاتا ہے تو جس کی کجی نماز سے جاتی رہے قیامت کے دن اسے آگ سے سیدھا کرنے کی ضرورت نہ رہے گی۔

بعض علماء نے فرمایا کہ صلوٰۃ مصلی سے مشتق ہے وہ گھوڑا جو (سابق) گھوڑے کے پیچھے (تالی) اس کو مصلی کہتے ہیں۔ کیونکہ اس پیچھے والے گھوڑے کا سر آگے والے گھوڑے کی سرین کے پیچھے ہوتا ہے اور وہ اگلے کا تابع ہوتا ہے تو صلوٰۃ کو صلوٰۃ اس لئے کہتے ہیں کہ مصلی اپنے امام کا تابع ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ امام کی نماز فاسد ہو تو مقتدی کی نماز بھی فاسد ہو جاتی ہے۔

نماز کی اہمیت:

حضور سید عالم ﷺ جب مبعوث ہوئے تو توحید کے بعد سب سے پہلا حکم جو آپ کو ملا وہ نماز کا تھا۔ قرآن پاک کی تصریح کے مطابق دنیا میں کوئی پیغمبر ایسا نہیں آیا جس نے اپنی امت کو نماز کی تعلیم نہ دی ہو اور اس کی تاکید نہ کی ہو۔ خصوصاً ملت ابراہیمی میں تو اس کی حیثیت سب سے زیادہ نمایاں ہے۔ حضرت ابراہیم، حضرت اسماعیل، حضرت شعیب، حضرت لوط حضرت اسحاق، حضرت یعقوب، حضرت لقمان، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ، حضرت زکریا ان سب جلیل القدر انبیاء کرام علیہم السلام کے متعلق قرآن پاک نے بتایا یہ سب کے سب نماز

پڑھتے تھے اپنے اہل وعیال اور اپنی قوم کو نماز کا حکم دیتے تھے۔ دیکھو سورہ مریم، سورہ ہود، سورہ لقمان، سورہ ابراہیم، سورہ طٰہٰ، سورہ یونس، سورہ مائدہ اور سورہ آل عمران۔

قرآن وحدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اسلام کے زمانہ میں بھی بعض یہودی اور عیسائی نماز پڑھتے تھے۔

قرآن وحدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اسلام کے زمانہ میں بھی بعض یہودی اور عیسائی نماز پڑھتے تھے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا یہودیوں اور عیسائیوں کی طرح ننگے نماز نہ پڑھو۔ (کنز العمال ۴/۲۷۷)

نماز اسلام کا سب سے اہم واکرم فریضہ ہے، عبادات میں سب سے اشرف وافضل نماز ہی ہے قرآن پاک میں تقریباً سو مرتبہ سے زیادہ نماز کی تعریف اور اس کی بجا آوری کی تاکید آئی ہے اور اس کے ادا کرنے میں سستی اور کاہلی نفاق کی علامت اور اس کا ترک کفر کی نشانی بتائی گئی ہے اور یہ وہ فرض ہے جو اسلام کے ساتھ ساتھ پیدا ہوا اور اس کی تکمیل اس شبستان قدس میں ہوئی جس کو معراج کہتے ہیں۔

وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ لَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ -

اور نماز کو قائم رکھو اور مشرکوں میں سے نہ ہو جاؤ۔

آیت بالا سے ایک تو توحید وایمان کے بعد سب سے اہم چیز نماز ثابت ہوئی اور دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ ترک نماز سے کفر وشرک میں گرفتار ہو جانے کا اندیشہ ہے کیونکہ جب دل کی کیفیت کو بیرونی اعمال کے ذریعے نہ بڑھایا جائے تو خود اس کی کیفیت (ایمان) کے زائل ہو جانے کا خطرہ پیدا ہو جاتا ہے حضور علیہ السلام نے ہمیشہ خاص طور سے نماز پر زور دیا اور اس کے تارک کے متعلق شرک وکفر کا ڈر ظاہر کیا۔

روزِ محشر کہ جاں گداز بود
اولیں پرسش نماز بود

حضرت عبداللہ بن شقیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: کہ صحابہ کرام کسی عمل کے ترک کو

کفر نہیں جانتے تھے سوائے نماز کے۔ بہت سی ایسی حدیثیں آئیں جن کا ظاہر یہ ہے کہ قصداً نماز کا ترک کفر ہے اور بعض صحابہ کرام مثلاً حضرت فاروق اعظم، عبدالرحمان بن عوف، عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عباس، جابر بن عبداللہ، معاذ بن جبل، ابو ہریرہ، ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ کا یہی مذہب ہے۔

بعض ائمہ کرام حضرت امام احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ، عبداللہ بن مبارک، امام نخعی کا بھی یہی مسلک ہے۔ البتہ ہمارے امام ابوحنیفہ ودیگر ائمہ کرام نیز کثیر صحابہ کرام تارک صلوٰۃ کی تکفیر نہیں کرتے تھے۔ مگر کیا یہ تھوڑی بات ہے کہ ان جلیل القدر حضرات کے نزدیک تارک صلوٰۃ کافر ہے۔ اس مسئلہ کی مکمل بحث کے لئے اہل علم حضرات نیل الاوطار، نووی اور عینی کا مطالعہ کریں، ہر مکلف یعنی عاقل وبالغ پر نماز فرض عین ہے اس کی فرضیت کا منکر کافر ہے اور قصداً چھوڑ دے اگر چہ ایک ہی وقت کی وہ فاسق ہے اور جو نماز نہ پڑھتا ہو اُسے قید کیا جائے گا حتی کہ نماز پڑھنے لگے۔ بلکہ آئمہ ثلاثہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نزدیک سلطان اسلام کو اس کے قتل کا حکم ہے۔ (درمختار)

نماز خالص بدنی عبادت ہے اس میں نیابت جاری نہیں ہو سکتی یعنی ایک کی طرف سے دوسرا نہیں پڑھ سکتا۔ فرضیت نماز کا سبب اصل امیں امر الٰہی ہے اور ظاہری سبب وقت ہے کہ اول وقت سے آخر وقت تک جب بھی پڑھے ادا ہو جائے گی اور فرض ذمہ سے ساقط ہو جائے گا۔ بچہ جب سات برس کا ہو جائے تو اس کو نماز پڑھنا سکھایا جائے اور جب دس برس کا ہو جائے اور نہ پڑھے تو سختی سے پڑھوائی جائے۔ (فیوض الباری)

حدیث نمبر 13

اَنَّهُ سَمِعَ اَبَا هُرَيْرَةَ اَنَّهُ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ نَحْنُ الْاٰخِرُوْنَ السَّابِقُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بَيْدَ اَنَّهُمْ اُوْتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِنَا ثُمَّ هٰذَا يَوْمُهُمُ الَّذِيْ فُرِضَ عَلَيْكُمْ فَاخْتَلَفُوْا فِيْهِ فَهَدَانَا اللّٰهُ لَهُ فَالنَّاسُ لَنَا فِيْهِ تَبَعٌ الْيَهُوْدُ غَدًا وَ النَّصَارٰى بَعْدَ غَدٍ۔

(صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ ۱/۱۲۰)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے حضور علیہ السلام کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہم سب امتوں کے آخر میں آئے اور قیامت کے دن سب سے پہلے ہوں گے۔ سوائے اس کے کہ دیگر امتوں کو ہم سے پہلے کتاب دی گئی پھر یہ جمعہ کا دن جو تم پر فرض کیا گیا ہے ان پر بھی فرض تھا انہوں نے اس میں اختلاف کیا لیکن اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس کے لئے ہدایت کردی سب لوگ ہمارے پیچھے ہوں گے یہود کا دن کل (ہفتہ) ہے اور نصاریٰ کا دن پرسوں (اتوار ہے)

تشریح

(۱) اس حدیث کو امام مسلم اور امام نسائی نے بھی روایت کیا ہے۔

(۲) عنوان سے مناسبت ھذا یومھم الذی فرض علیھم کے الفاظ ہیں جن سے جمعہ کی فرضیت ثابت ہوتی ہے۔ نحن الاخرون یعنی زمانہ کے لحاظ سے یہ امت سب سے پچھلی امت ہے لیکن قدر و منزلت کے لحاظ سے آخرت میں سب سے پہلے ہوگی اور امتوں کا حساب و کتاب اور جنت میں داخلہ بعد میں ہوگا۔ اس امت کا حساب اور داخلہ جنت میں سب سے پہلے ہوگا۔ ثم ھذا یومھم اس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں یعنی اہل کتاب ہر ہفتہ میں ایک دن کی تعظیم مقرر کی گئی تھی۔ اور انہیں اختیار دیا گیا تھا، کہ وہ ہفتہ بھر میں جس کو چاہیں عبادت کے لئے مقرر کریں مگر وہ جمعہ کو مقرر نہ کر سکے، علامہ قاضی عیاض و ابن بطال نے اس معنیٰ کو اختیار کیا اور دلیل یہ دی کہ اگر بعینہٖ جمعہ کا دن ہی اہل کتاب پر فرض ہوتا تو پھر حضور علیہ السلام وخالفوا فیہ کے الفاظ استعمال فرماتے فاختلفوا فیہ نہ فرماتے نیز آیہ مبارکہ جعل السبت علی الذین اختلفوا فیہ کی تفسیر میں حضرت مجاہد نے فرمایا کہ انہوں نے جمعہ کے دن کا ارادہ کیا مگر...... گئے اور اس جگہ ہفتہ مقرر کرلیا۔ امام نووی اور کچھ لوگ اس طرف گئے کہ اہل کتاب پر جمعہ کا دن بعینہٖ فرض کیا گیا تھا اور انہوں نے اس کے خلاف کیا جیسا کہ ابن حاتم نے بطریق اسباط بن...... سے اس امر کی تصریح کی کہ اللہ تعالیٰ نے جمعہ کے دن کو فرض کیا تو انہوں نے انکار کیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا ہفتہ کے دن اللہ نے کوئی چیز نہیں بنائی۔ لہٰذا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کے لئے ہفتہ کا دن مقرر کردیا بہرحال مقصود یہ بتانا

ہے کہ امم سابقہ اس معظم و متبرک دن سے محروم رہیں اور امت محمدیہ نے اس کو پالیا فھدانا اللہ لنا یعنی ہمیں اللہ تعالیٰ نے اس دن کو اختیار کرنے کی ہدایت فرمائی اور مسلمانوں نے اس عظیم وجلیل دن کو پالیا ہے۔ فھدانا کے بھی دو معنیٰ ہو سکتے ہیں یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس دن کے متعلق نص فرمادی کہ انہوں نے اپنے اجتہاد سے ان کو مقرر کرلیا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے جمعہ کے متعلق آیت نازل فرمادی جیسا کہ مصنف عبدالرزاق کی حدیث سے واضح ہے فالناس تبع لنا تو یہود و نصاریٰ ہم سے پیچھے ہیں یعنی یہود نے ہفتہ کو مقرر کیا جو جمعہ کے ایک دن بعد ہے اور نصاریٰ نے اتوار کا دن جو دو دن بعد ہے۔ یہود کا خیال یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ ہفتہ کے دن مخلوقات کو پیدا کر کے فارغ ہوا لہٰذا اس دن ہمیں بھی اپنے تمام کام چھوڑ کر اللہ کی عبادت اور اس کا شکر ادا کرتے میں مصروف ہو جانا چاہیے اور عیسائیوں نے کہا اتوار کے دن اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کو پیدا کرنے کی ابتداء فرمائی اور خلیفہ کو پیدا کیا۔ لہٰذا اتوار کا دن معظم و متبرک دن ہے اور اس میں عبادت کرنی چاہیے اور مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے اس دن کو مقرر کرنے کی توفیق عطاء فرمائی جو وہ چاہتا تھا یعنی جمعہ۔ اس حدیث میں جمعہ کے فرض ہونے کی دلیل ہے۔ علامہ نووی نے لکھا کہ فرض اللہ کے معنیٰ یہ ہیں کہ جمعہ کے دن کی عبادت اللہ نے یہود و نصاریٰ اور مسلمانوں پر فرض کی لیکن یہود و نصاریٰ بہک گئے اور مسلمان مرضی الٰہی کو پا گئے اور مسلم کی روایت میں کتب علینا کے الفاظ آئے ہیں۔

(۲) شرعاً جمعہ ہفتہ بھر کا پہلا دن ہے اور اہل مدینہ سارے ہفتہ کو سبت ہی کہتے ہیں۔ (۳) یہ امت سابقہ امتوں پر فضیلت رکھتی ہے۔ (۴) ہدایت دینا اور گمراہ کرنا اللہ کے اختیار میں ہے۔ (۵) نص کی موجودگی میں قیاس باطل ہے کیونکہ یہود و نصاریٰ نے ہفتہ و اتوار کو نص کی موجودگی میں اپنے قیاس و رائے سے مقرر کرلیا تھا۔ (۶) اس امت کے اجماع کا خطا سے سلامت ہونا اسی امت کی خصوصیت ہے۔

جمعہ کی شرطیں:

فقہاء کرام نے ارشادات نبی ﷺ جمعہ کے واجب ہونے کی حسب ذیل شرائط اخذ کی ہیں یعنی جن افراد میں یہ شرطیں پائی جائیں۔ ان پر جمعہ کی نماز پڑھنا فرض ہے اور اگر ان

میں سے ایک بھی معدوم ہوتو جمعہ فرض نہیں ہے۔(۱) عاقل ہونا، مجنون نہ ہو۔(۲) بالغ ہو نابالغ نہ ہو۔ عاقل وبالغ ہونا خاص جمعہ ہی کے لئے نہیں بلکہ ہر عبادت کے لئے شرط ہے۔ (۳) شہر میں مقیم ہو مسافر نہ ہو۔(۴) صحیح وتندرست ہو بیمار یا معذور نہ ہو۔ مریض سے مراد وہ ہے جو مسجد جمعہ تک نہ جاسکتا ہو۔ یا چلا تو جائے گا مگر مرض بڑھ جائے گا۔ شیخ فانی مریض کے حکم میں ہے اسی طرح نابینا پر بھی جمعہ فرض نہیں ہے اور اپاہج پر بھی اگر چہ یہ دونوں خود مسجد تک جاسکیں یا کوئی انہیں پہنچا دے کیونکہ یہ معذور ہیں اسی طرح جس کو بادشاہ یا چور یا کسی ظالم کا خوف ہو یا مینہ آندھی یا سردی ہو یعنی ایسی بارش یا آندھی یا سردی ہو کہ جس سے نقصان پہنچے کا خوف ہو۔(۵) آزاد ہو مملوک نہ ہو۔(۶) مرد ہو بچہ اور عورت پر جمعہ فرض نہیں۔ جن افراد میں وجوب جمعہ کی شرائط نہ پائیں جائیں یعنی ان پر جمعہ فرض نہ ہو جیسے مسافر، غلام، مریض تو اگر یہ جمعہ میں شریک ہو جائیں تو جمعہ ہو جائے گا۔

حدیث نمبر 14

عَنِ الْبَرَآءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ اَمَرَنَا النَّبِيُّ ﷺ اَمَرَنَا بِاِتِّبَاعِ الْجَنَائِزِ وَ عِيَادَةِ الْمَرِيْضِ وَ اِجَابَةِ الدَّاعِيْ وَ نَصْرِ الْمَظْلُوْمِ وَ اِبْرَارِ الْقَسَمِ وَرَدِّ السَّلَامِ وَ تَشْمِيْتِ الْعَاطِسِ وَ نَهَانَا وَ الْاِسْتَبْرَقِ اَنَّ اَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ يَقُوْلُ حَقُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ خَمْسٌ رَدُّ السَّلَامِ وَ عِيَادَةُ الْمَرِيْضِ وَ اِتِّبَاعُ الْجَنَائِزِ وَ اِجَابَةُ الدَّعْوَةِ وَ تَشْمِيْتُ الْعَاطِسِ۔

(صحیح بخاری کتاب الجنائز ۱۶۶/۱)

ترجمہ: حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے انہیں نبی اکرم ﷺ نے سات چیزوں کا حکم دیا اور سات چیزوں سے منع فرمایا۔ آپ نے ہم کو جنازے میں شریک ہونے اور مریض کی بیمار پرسی کرنے اور دعوت قبول کرنے اور مظلوم کی مدد کرنے کا حکم دیا اور آپ نے ہم کو چاندی (سونے) کے برتنوں میں کھانے پینے

اور سونے کی انگوٹھی پہننے اور خالص ریشمی کپڑے پہننے اور دیباج اور قسی اور استبرق کے پہننے سے منع فرمایا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ سے سنا آپ فرماتے تھے کہ ایک مسلمان کے ذمہ دوسرے مسلمان کے پانچ حقوق ہیں، سلام کا جواب دینا، اور مریض کی بیمار پرسی کرنا اور جنازہ میں شریک ہونا اور دعوت کا قبول کرنا، چھینک کا جواب دینا۔

تشریح

اس حدیث کو امام بخاری نے دس جگہ ذکر کیا ہے (۲) اتباع کے معنی پیچھے چلنے کے ہیں۔ اس لئے احناف کا مسلک یہ ہے کہ جنازہ کے پیچھے چلنا افضل ہے داہنے بائیں یا آگے نہ چلنا چاہیے۔ تشمیت کے معنی خیر وبرکت کی دعا کرنے کے ہیں۔(۳) سونے چاندی کے برتن کا استعمال مرد وعورت دونوں کے لئے حرام ہے، عورتوں کو صرف سونے چاندی کے زیور پہننا جائز ہے اور مردوں کو سونے کی انگوٹھی بھی جائز نہیں صرف چاندی کی انگوٹھی وہ بھی چار ماشے سے زیادہ نہ ہو۔ اور ایک ہی نگ پر مشتمل ہو زیادہ نگ یا موتی وغیرہ بھی نہ لگے ہوں اسی طرح مردوں کے لئے ریشم کا استعمال بھی ممنوع ہے، اور عورتوں کے لئے جائز ہے۔ اور مریض کی عیادت کرنا بھی بہت بڑا اجر ہے جتنے قدم چل کر جائے گا اللہ تعالیٰ ہر قدم کے بدلے میں اسے اجر عطا فرمائے گا۔ اور پھر سلام کا جواب دینا یہ بھی حقوق میں سے ہے جب کوئی ایک مسلمان سلام کرے تو دوسرے مسلمان پر لازم ہے کہ سلام کا جواب دے۔ سلام سنت ہے اور جواب دینا واجب ہے یعنی چلنے والا کھڑے کو سلام کرے، کھڑا بیٹھے کو سلام کرے اور سوار پیدل چلنے والے کو سلام کرے اگر بندہ نماز کی حالت میں ہو تو سلام کا جواب نہ دے اگر سلام کا جواب دے گا تو اس کی نماز جاتی رہے گی یہ چند حقوق ہیں جو بندوں کے ایک دوسرے پر ہیں۔

☆☆☆.........☆☆☆.........☆☆☆

حدیث نمبر 15

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ الصِّیَامُ جُنَّةٌ فَلَا یَرْفُثْ وَ لَا یَجْهَلْ فَاِنِ امْرُؤٌ قَاتَلَهٗ اَوْ شَاتَمَهٗ فَلْیَقُلْ اِنِّیْ صَائِمٌ مَرَّتَیْنِ وَ الَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ لَخُلُوْفُ فَمِ الصَّائِمِ اَطْیَبُ عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ رِیْحِ الْمِسْكِ یَتْرُكُ طَعَامَهٗ وَ شَرَابَهٗ وَ شَهْوَتَهٗ مِنْ اَجْلِیْ اَلصِّیَامُ لِیْ وَ اَنَا اَجْزِیْ بِهٖ وَ الْحَسَنَةُ بِعَشْرِ اَمْثَالِهَا۔

(صحیح بخاری کتاب الصیام ۱/۲۵۴)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: روزہ ڈھال ہے پس (روزہ دار) نہ بُری بات کرے اور نہ ہی جہالت کی بات کرے اور اگر کوئی اس سے جھگڑا کرے یا گالی گلوچ کرے تو وہ کہے میں روزہ دار ہوں یہ دو دفعہ کہے۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے روزہ دار کے منہ کی بُو اللہ تعالیٰ کے نزدیک کستوری کی خوشبو سے زیادہ خوشبودار ہے وہ کھانا، پینا اور جماع میرے لئے ترک کرتا ہے روزہ میرے لئے ہے اور میں ہی اس کی جزاء دیتا ہوں اور نیکی دس گنا ملتی ہے۔

تشریح

حدیث کا بیان یہ ہے کہ اگر کوئی شخص روزہ دار سے جھگڑا یا گالی گلوچ کرے تو وہ مقابل اور شاتم (جھگڑا کرنے والا اور گالی گلوچ کرنے والے) کو سن کر یہ کہے میں تجھ کو کیا کہہ سکتا ہوں میں تو روزے دار ہوں وہ سن کر غالباً رُک جائے گا یا اس کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ دل خیالات کی طرف متوجہ ہو جائے تا کہ اس سے جھگڑا نہ کر سکے اور نہ ہی اس کو گالی گلوچ کا جواب دے سکے ویسے بھی تو فضول جھگڑا اور سب وشتم ممنوع ہیں۔

مگر روزہ کی حالت میں سخت ممنوع ہیں، سب وشتم کرنا اور غیبت وچغلی کرنا اگرچہ حرام ہیں مگر ان سے روزہ ٹوٹتا نہیں البتہ اس کا ثواب کم ہو جاتا ہے اس حدیث کا مقصد صائم کی

تعریف اور اس کے فعل کی...... ہے تا کہ اس کو روزہ رکھنے سے کوئی شے منع نہ کرے جو بہترین خوشبو کا سبب ہے۔ اگر یہ سوال ہو کہ اللہ تعالیٰ کے لئے بہترین خوشبو متصور نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ اس سے پاک ومنزہ ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اطیب کا معنیٰ اقبل ہے کیونکہ عادۃً طیب قبول کو مستلزم ہے تو معنیٰ یہ ہوا کہ روزہ دار کے منہ کی بُو اللہ تعالیٰ کے ہاں کستوری کی خوشبو سے زیادہ قبول ہے یا حدیث کا معنیٰ یہ ہوا کہ یہ کلام فرض تقدیری پر مبنی ہے۔ یعنی اگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک خوشبو متصور ہو سکے تو روزے دار کے منہ کی بو کستوری کی خوشبو سے زیادہ خوشبودار ہے۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا صحیح تر یہ جواب ہے کہ روزے دار کے منہ کی بو کا ثواب کستوری لگانے سے زیادہ ہے جبکہ عیدین وجمعہ میں خوشبو لگانا مستحب ہے جس کا بہت ثواب ہے مگر روزے دار کے منہ کی بُو کا ثواب اس سے کہیں زیادہ ہے۔ ابن بطال رحمہ اللہ نے کہا: عند اللہ کا معنیٰ فی الاخرۃ ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: (اِنَّ یَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ) یعنی آخرت کے ایام ہزار سال کے برابر ہیں اس تقدیر پر حدیث شریف کا معنیٰ یہ ہوا کہ روزے دار کے منہ کی بُو آخرت میں کستوری کی خوشبو سے زیادہ ہوگی اگر یہ سوال ہو کہ یہ حدیث قدسی ہے کیونکہ اس کا اسناد اللہ تعالیٰ کی طرف ہے اور اس میں اور قرآن میں کیا فرق رہا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن بنفسہٖ معجزہ ہے اور جبرائیل علیہ السلام کے واسطہ سے نازل ہوا اور حدیث قدسی کلام غیر معجزہ ہے اور جبرائیل علیہ السلام کے واسطہ سے نازل نہیں ہوا اس کو حدیث الٰہی یا حدیث ربانی بھی کہتے ہیں اگر یہ سوال ہو کہ تمام حدیثیں ایسی ہی ہیں کیونکہ حضور علیہ السلام وحی کے بغیر کلام نہیں فرماتے اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث قدسی اللہ تعالیٰ سے مروی ہوتی ہے اور اس کی طرف منسوب ہوتی ہے۔

علامہ طیبی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ قرآن وہ الفاظ ہیں جن کو لے کر سیدنا جبرائیل علیہ السلام سید عالم ﷺ پر نازل ہوئے تا کہ لوگوں کو اس کا اس کا مقابلہ کرنے سے عاجز کر دے اور حدیث قدسی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی خبریں ہیں جو بذریعہ الہام یا بذریعہ منام آپ ﷺ سے منقول ہیں جن کو آپ نے بعینہ امت تک پہنچا دیا اور دوسری حدیث اللہ کی طرف منسوب نہیں اور نہ ہی اس سے مروی ہیں۔ اگر یہ سوال ہو کہ تمام عبادات اللہ ہی کے لئے ہیں روزہ کی کیا تخصیص ہے جبکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: روزہ میرے لئے ہے اور میں ہی اس کی جزاء

دیتا ہوں۔اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف روزے کی نسبت کا سبب یہ ہے کہ آج تک کسی شخص نے روزہ رکھ کر غیر اللہ کی عبادت نہیں کی اور کسی دور میں کفار نے اپنے معبودانِ باطلہ کی تعظیم روزہ رکھ کر نہیں کی اگر چہ وہ سجدہ کی صورت میں غیر اللہ کی تعظیم کرتے تھے۔اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے روزہ رکھ کر عبادت کرنا صرف میرے ساتھ خاص ہے اس کا دوسرا جواب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ روزہ میں حظِ نفس نہیں کیونکہ اس پر کوئی اور شخص مطلع نہیں ہوتا علاوہ ازیں اس میں کسر نفسی بھی ہے اور......کو بھوک، پیاس پر آمادہ کرنا ہوتا ہے اور یہ صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا "الصوم لی" یہ کہنا بھی ممکن ہے کہ صوم کی اضافت اللہ تعالیٰ کی طرف تشریف کے لئے ہے جیسے قرآن کریم میں ناقۃ اللہ ہے امام خطابی رحمہ اللہ نے کہا اس کا معنٰی یہ ہے کہ روزہ خالص اللہ کی عبادت ہے جس میں ریاء کا کوئی شائبہ نہیں کیونکہ یہ ایسا مخفی عمل ہے جس پر لوگ مطلع نہیں ہوتے۔جیسے مروی ہے: نِیَّۃُ الْمُؤْمِنِ خَیْرٌ مِّنْ عَمَلِہٖ۔ کیونکہ نیت کا محل قلب ہے جس پر اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوسرا مطلع نہیں ہوتا اس کا معنٰی یہ ہے کہ نیت جو عمل سے خالی ہو اس عمل سے بہتر ہے جو نیت سے خالی ہو۔روزہ دار میری صفت حاصل کرنے کے سبب میرے قریب ہو جاتا ہے اگر چہ اللہ تعالیٰ کی صفات کے مشابہ کوئی صفت نہیں۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "انا اجزی بہ" اس کا معنٰی یہ ہے۔اعداد و شمار کے بغیر بے حساب ثواب عنایت کرتا ہوں اس کے بعد "والحسنۃ بعشر امثالھا" اس لئے فرمایا کہ روزہ اس حکم سے خارج ہے کیونکہ دوسری نیکیوں کا ثواب دس گناہ ہوتا ہے اور روزہ کے ثواب کی کوئی حد نہیں ہے اور نہ کسی کے شمار میں ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے انا اجزی بہ فرمایا کیونکہ جب کریم یہ خبر دے کہ وہ بہت انعام فرمائے گا تو اس کی وسعت اور عظمت بے شمار ہوتی ہے روزہ کی جزاء میں ہی دیتا ہوں دوسرے عملوں کی جزائیں فرشتوں کو سونپی جاتی ہیں۔

حدیث نمبر 16

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ بَعَثَ مُعَاذًا اِلَی الْیَمَنِ فَقَالَ اُدْعُھُمْ اِلٰی شَھَادَۃِ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ فَاِنْ ھُمْ اَطَاعُوْا لِذَالِکَ فَاَعْلِمْھُمْ اَنَّ اللّٰہَ قَدِ افْتَرَضَ عَلَیْھِمْ خَمْسَ صَلَوَاتٍ فِیْ

کُلِّ یَوْمٍ وَّ لَیْلَۃٍ فَاِنْ ھُمْ اَطَاعُوْا لِذَالِکَ فَاَعْلِمْھُمْ اَنَّ اللّٰہَ افْتَرَضَ عَلَیْھِمْ صَدَقَۃً فِیْ اَمْوَالِھِمْ تُؤْخَذُ مِنْ اَغْنِیَائِھِمْ وَ تُرَدُّ فِیْ فُقَرَائِھِمْ۔

(صحیح بخاری کتاب الزکوۃ ۱/۱۸۷)

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی کریم ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف بھیجا اور فرمایا کہ اہل یمن کو پہلے اس کی دعوت دینا کہ وہ اس بات کی گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں اگر وہ تمہاری یہ بات مان لیں تو ان کو یہ بتلاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر دن اور رات میں پانچ وقت کی نمازیں فرض کر دی ہیں تو اگر وہ تمہارا یہ کہنا بھی مان لیں ان کو یہ بتلاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے مالوں میں سے ان پر زکوۃ بھی فرض کی ہے۔جو کہ ان کے مالداروں سے وصول کی جائے اور ان کے غرباء میں تقسیم کی جائے۔

تشریح

اس حدیث کو امام بخاری نے کتاب التوحید، کتاب المغازی، کتاب الجنائز اور کتاب المظالم میں ذکر کیا ہے، امام مسلم نے کتاب الایمان میں اور امام ابو داؤد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے کتاب الزکوۃ میں ذکر کیا۔

(۱) حضرت معاذ انصاری خزرجی رضی اللہ عنہ انصار کے ان ستر افراد میں سے ہیں جو بیعت عقبہ ثانیہ میں حاضر ہوئے، بدر اور دیگر غزوات میں شریک ہوئے حضور علیہ السلام نے فرمایا معاذ میری امت میں حرام و حلال کو زیادہ جاننے والے ہیں نیز فرمایا قیامت کے دن معاذ علماء کے امام ہوں گے۔اٹھارہ برس کی عمر میں اسلام لائے، صحابہ کرام میں ابن عباس، ابن عمر اور تابعین میں عمر بن میمون، ابو مسلم خولانی اور مسروق وغیرہ آپ کے شاگرد ہیں۔حضرت معاذ سے کل ۱۵۷ حدیثیں مروی ہیں جن میں سے تین بخاری شریف میں ہیں، مرض طاعون میں مبتلا ہو کر وفات پائی۔

حضور علیہ السلام نے حضرت معاذ کو غزوہ تبوک سے واپس ہو کر ۹ ہجری میں یمن کا قاضی

اور دین اسلام کا مبلغ بنا کر بھیجا تھا۔ حضور علیہ السلام نے یمن کو پانچ علاقوں میں تقسیم فرمایا تھا چنانچہ صنعاء کا امیر خالد بن سعید کو، کندہ کا امیر مہاجر بن ابوامیہ کو، حضرموت کا زیاد بن لبید کو، زبیر، عدن، ساحل کا امیر حضرت ابوموسیٰ کو...... جند کا امیر حضرت معاذ کو مقرر فرمایا تھا۔ حضرت معاذ کو حضور علیہ السلام نے تبلیغ کا طریقہ بھی سکھایا کہ سب سے پہلے توحید ورسالت کی دعوت دینا جب وہ اسلام کو قبول کرلیں تو پھر انہیں بتانا کہ اللہ نے پانچ نمازیں فرض کی ہیں اور زکوٰۃ بھی۔ (۳) اس حدیث سے واضح ہوا کہ خبر واحد واجب العمل ہے۔ (۴) جنگ سے قبل کفار کو اسلام کی دعوت دینا ضروری ہے اور جب تک وہ توحید ورسالت کا زبانی اقرار نہ کرلیں اس وقت تک انہیں مسلمان نہیں قرار دیا جائے گا۔ (۵) دن رات میں پانچ نمازیں فرض ہیں۔ (۶) زکوٰۃ فرض ہے "ترد علیٰ فقرائھم" سے بعض نے یہ استدلال کیا کہ جس شہر کی زکوٰۃ ہے وہ اسی شہر کے غریبوں میں تقسیم کی جائے گی دوسرے شہر میں لے جانا جائز نہیں ہے لیکن یہ استدلال درست نہیں کیونکہ فقرائھم میں جو ضمیر ہے وہ فقراء مسلمین کی طرف لوٹتی ہے...... اس سے کہ وہ مسلمان فقیر اسی شہر کے ہوں یا کسی دوسرے شہر کے، علامہ طیبی نے فرمایا کہ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ ایک شہر کی زکوٰۃ دوسرے شہر کے غریبوں کو دی گئی تو ادا ہوجائے گی۔

زکوٰۃ اسلام کا ایک رکن ہے اور اس کی فرضیت قطعی ہے اس کا منکر کافر اور نہ دینے والا فاسق اور قتل کا مستحق ہے اور ادا میں تاخیر کرنے والا گنہگار مردود الشہادۃ ہے زکوٰۃ دینے کے فضائل اور نہ دینے کے بارے میں سخت وعیدیں آئی ہیں اس لئے زکوٰۃ ادا کرنا ضروری ہے اس سے مال صاف اور پاکیزہ ہوجاتا ہے۔

حدیث نمبر 17

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِیَّ ﷺ یَقُوْلُ مَنْ حَجَّ لِلّٰهِ فَلَمْ یَرْفُثْ وَلَمْ یَفْسُقْ رَجَعَ کَیَوْمِ وَلَدَتْهُ اُمُّهٗ ۔ (بخاری کتاب المناسک ۱/۲۰۶)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ سے سنا آپ فرماتے تھے جس شخص نے اللہ کے لئے حج کیا اور (دورانِ حج)

شہوت اور گناہ کی باتیں نہیں کیں تو وہ ایسا پاک ہوکر لوٹے گا جیسے اُس دن پاک تھا جس دن اس کی ماں نے اس کو جنا تھا۔

تشریح

حج فریضہ محکمہ ہے اس کی فرضیت دلائل قطعیہ سے ثابت اور اس کا منکر کافر ہے حج ۹ ہجری میں فرض ہوا، حج کرنا تمام عمر میں ایک مرتبہ فرض ہے۔ (۲) یہ آیت سورہ آل عمران کی ہے امام نے اس آیت سے حج کی فرضیت ثابت کی ہے۔ (۳) لغت میں حج کے معنیٰ قصد کے ہیں اور اصطلاح شرع میں حج نام ہے احرام باندھ کر نویں ذوالحجہ کو عرفات میں ٹھہرنے اور کعبہ معظمہ کا طواف کرنے کا، اس کے لئے ایک خاص وقت مقرر ہے کہ اس میں یہ افعال کئے جائیں تو یہ حج ہے۔ (۴) مناسک یہ جمع ہے منسک کی۔ منسک مذبح کو کہتے ہیں انسیکہ ذبیحہ کو منسک کے معنیٰ اطاعت وعبادت کے بھی آتے ہیں اور ناسک عابد کو کہتے ہیں۔ (۵) حدیث امام احمد کا مضمون ہے کہ حضور علیہ السلام نے اپنے خطبہ میں فرمایا اللہ تعالیٰ نے تم پر حج فرض کیا ہے تو صبح ہوئی تو ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ ہر سال حج فرض ہے؟ حضور علیہ السلام نے فرمایا اگر میں ہاں کہتا تو ہر سال کے لئے فرض ہوجاتا اور تم اس کی قدرت نہ رکھتے۔ حج پوری زندگی میں صرف ایک مرتبہ فرض ہے۔ صاحب مال پر، اور حج کرنے والا حج کرنے کے بعد اس طرح سے پاک ہوجاتا ہے جیسے اُسے آج ہی اُس کی ماں نے جنا ہو اسی طرح وہ گناہوں سے پاک ہوجاتا ہے اس قدر اجر ہے حج کرنے کا۔

حدیث نمبر 18

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یَقُوْلُ مَنْ سَرَّهٗ اَنْ یُّبْسَطَ لَهٗ رِزْقُهٗ اَوْ یُنْسَاَ فِیْ اَثَرِهٖ فَلْیَصِلْ رَحِمَهٗ ۔

(صحیح بخاری کتاب البیوع ۱/۲۷۷)

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ میں نے جناب رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جس کو یہ پسند ہو کہ اس کا رزق وسیع ہو یا اس کی عمر لمبی ہو تو وہ صلہ رحمی کرے۔

تشریح

جس کے ساتھ نکاح حرام ہو وہ ذی رحم ہے۔ وارث اور قریبی لوگوں پر بھی رحم کا اطلاق ہوتا ہے۔ صلہ رحم کبھی تو مال سے ہوتا ہے کبھی خدمت کرنے سے اور کبھی ملاقات اور سلام کرنے سے ہوتا ہے۔ سوال یہ ہوتا ہے کہ ایک حدیث میں ہے کہ ماں کے پیٹ میں اس کا رزق اور اجل لکھے جاتے ہیں تو صلۂ رحم کس کو زیادہ کرتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ رزق میں وسعت کا معنیٰ یہ ہے کہ اس میں برکت ہو جاتی ہے کیونکہ صلہ صدقہ ہے اور صدقہ مال کو زیادہ کرتا ہے اور اس کو بڑھاتا ہے اور عمر میں وسعت کا معنیٰ یہ ہے کہ اس کے جسم میں قوت حاصل ہوتی ہے یا اس کی اچھی ثناء باقی رہتی ہے اور لوگوں کی زبانوں پر اس کی اچھی ثناء ہوتی ہے۔ گویا کہ وہ مرا ہی نہیں اس کا جواب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کی ماں کے پیٹ میں اس طرح لکھا جاتا ہے کہ اگر اس نے صلہ رحم کیا تو اس کا رزق وسیع ہوگا۔ اور عمر لمبی ہوگی ورنہ اس کا رزق اور عمر اس قدر ہوں گے۔

کتاب الترغیب والترہیب میں حافظ ابو موسیٰ مدینی نے کہا کہ عبداللہ بن عمر بن عاص نے نبی کریم ﷺ سے روایت کی کہ انسان صلہ رحمی کرتا ہے حالانکہ اس کی عمر کے صرف تین دن باقی ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس کی عمر تیس سال بڑھا دیتا ہے اور بعض دفعہ یوں ہوتا ہے کہ کوئی انسان قطع رحمی کرتا ہے حالانکہ اس کی عمر تیس سال باقی ہوتی ہے تو اس کی عمر صرف تین دن رہ جاتی ہے۔ اسماعیل بن عیاش نے داؤد بن عیسیٰ سے روایت کی کہ تورات میں یہ لکھا ہے کہ صلہ رحمی حسنِ خلق اور قریبی لوگوں کے ساتھ نیکی کرنے سے گھر کی آبادی ہوتی ہے اموال زیادہ ہوتے ہیں اور عمریں بڑھ جاتی ہیں نیز کتاب الترغیب والترہیب میں عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں نے گذشتہ رات ایک عجیب بات دیکھی میں نے خواب میں اپنے ایک امتی کو دیکھا کہ ملک الموت اس کی روح قبض کرنے آیا تو اس نے اپنے باپ کے ساتھ جو نیکی کی ہوئی تھی وہ سامنے آ گئی اور اس نے ملک الموت کو واپس کر دیا یہ حدیث حسن ہے۔ ابو ہریرہ اور ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا اے ابن آدم! اپنے رب سے ڈر والدین کے ساتھ نیکی کر

اور صلہ رحمی کر تیری عمر لمبی ہوگی تیرے رزق میں وسعت ہوگی اور تنگی دور ہوگی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا صلہ رحمی عمر کو زیادہ کرتی ہے۔ واللہ الموفق وھو علی کل شیءٍ قدیر۔

(تفہیم البخاری شرح صحیح بخاری)

حدیث نمبر 19

عَنْ سَلَمَةَ قَالَ سَمِعْتُ سُوَيْدَ بْنَ غَفَلَةَ قَالَ لَقِيْتُ اُبَیَّ بْنَ كَعْبٍ فَقَالَ اَخَذْتُ صُرَّةً فِيْهَا مِائَةُ دِيْنَارٍ فَاَتَيْتُ النَّبِیَّ ﷺ فَقَالَ عَرِّفْهَا حَوْلًا فَعَرَّفْتُهَا فَلَمْ اَجِدْ ثُمَّ اَتَيْتُهٗ ثَالِثًا فَقَالَ احْفَظْ وِعَاءَهَا وَ عَدَدَهَا وَ وِكَاءَهَا فَاِنْ جَاءَ صَاحِبُهَا وَ اِلَّا فَاسْتَمْتِعْ بِهَا فَاسْتَمْتَعْتُ فَلَقِيْتُهٗ بَعْدُ بِمَكَّةَ قَالَ لَا اَدْرِیْ ثَلَاثَةَ اَحْوَالٍ اَوْ حَوْلًا وَاحِدًا۔

(صحیح بخاری کتاب اللقطہ ۱/۳۲۷)

ترجمہ: حضرت سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے انہوں نے کہا میں نے سوید بن غفلہ کو کہتے ہوئے سنا کہ میں نے ابی بن کعب سے ملاقات کی تو انہوں نے کہا میں نے سو دینار کی ایک تھیلی لی اور نبی کریم ﷺ کے پاس آیا تو آپ نے فرمایا، اس کی ایک برس تشہیر کرو میں نے اس کی ایک برس تشہیر کی تو اس کو پہچاننے والا کوئی نہ تھا پھر میں آپ کے پاس آیا تو آپ نے فرمایا ایک سال اور تشہیر کرو میں نے اس کی تشہیر کی اور اس کو پہچاننے والا نہ پایا پھر تیسری بار آپ کے پاس آیا۔ فرمایا اس کی ظرف، گنتی اور تسمہ (سربندھن) کو یاد رکھو اگر اس کا مالک آ جائے تو فبہا ورنہ اس سے فائدہ اٹھاؤ چنانچہ میں نے اس سے فائدہ اٹھایا اس کے بعد میں ابی بن کعب سے مکہ میں ملا تو انہوں نے کہا مجھے معلوم نہیں تیس سال یا ایک سال تشہیر کے لئے فرمایا۔

تشریح

ابن بطال رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا کہ فقیر نے یہ نہیں کہا کہ گری پڑی شے کی تین برس تشہیر کی

جائے کیونکہ سوید بن غفلہ جب ابی بن کعب سے مکہ میں ملے تو ان کی توجہ اس طرف مبذول کروائی تو انہوں نے کہا مجھے معلوم نہیں کہ ایک سال یا تین سال تشہیر کرنا فرمایا۔ تین سال تشہیر مشکوک ہے۔ لہذا وہ ساقط ہوگئی۔ علماء کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔ کہ جب گری پڑی شے کا مالک آجائے اور وہ اس کی نشانیاں بیان کردے تو وہ شے اُس کو واپس کردی جائے گی یا اس کو کہا جائے گا کہ گواہ لاؤ۔

امام مالک اور امام احمد رضی اللہ عنہما نے کہا، اس حدیث کے مطابق وہ شے واپس کردی جائے گی اور دلیل کا مطالبہ نہ کیا جائے گا۔ امام ابوحنیفہ اور امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا بینہ (دلیل) کے بغیر وہ شے واپس نہیں کی جائے گی کیونکہ سید عالم ﷺ نے فرمایا مدعی کا بینہ قائم کرنا ضروری ہے اور بخاری شریف میں مذکور حدیث کا جواب یہ ہے جب مالک نشانی بیان کردے اور وہ شخص اس کی تصدیق کردے تو وہ شے واپس کرسکتا ہے اگرچہ اس کا مالک کے پاس بینہ نہ ہو اور اگر کوئی دوسرا شخص اس پر بینہ قائم کردے تو سب کا اتفاق ہے کہ وہ شے پہلے سے لے کر دوسرے کو دی جائے گی کیونکہ نشانی بیان کرنے سے بینہ قوی تر ہے۔ اور اگر اس کو ضائع کردیا ہو تو ضامن ہوگا۔ اور اگر ایک سال سے پہلے وہ شے ضائع ہوگئی تو امام ابوحنیفہ اور امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا اگر شے اٹھاتے وقت کسی کو گواہ بنالیا تھا کہ وہ اس کو واپس کردے گا تو ضامن نہ ہوگا ورنہ ضامن ہوگا انہوں نے ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ کی حدیث سے استدلال کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو کوئی گری پڑی شے پائے تو اس پر دو عادل گواہ قائم کرے اور اس میں کسی قسم کا اخفاء (نہ کرے اگر اس کا مالک آجائے تو اس کو دیدے ورنہ وہ اللہ کا مال ہے امام ابویوسف کے نزدیک اس پر شہادت قائم کرنی ضروری نہیں۔ امام شافعی مالک اور احمد رحمہم اللہ بھی اسی طرح کہتے ہیں اور اگر گواہ نہ ملے تو بالاتفاق ضامن نہ ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم ورسولہ

حدیث نمبر 20

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ قَالَ اِذَا خَلَصَ

الْمُؤْمِنُوْنَ مِنَ النَّارِ حُبِسُوْا بِقَنْطَرَةٍ بَیْنَ الْجَنَّةِ وَ النَّارِ فَیَتَقَاصُّوْنَ مَظَالِمَ كَانَتْ بَیْنَهُمْ فِی الدُّنْیَا حَتّٰی اِذَا نُقُّوْا وَ هُذِّبُوْا اُذِنَ لَهُمْ بِدُخُوْلِ الْجَنَّةِ فَوَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِهٖ لَاَحَدُهُمْ بِمَسْكَنِهٖ فِی الْجَنَّةِ اَدَلُّ بِمَسْكَنِهٖ كَانَ فِی الدُّنْیَا وَ قَالَ یُوْنُسُ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا ...... قَتَادَةَ حَدَّثَنَا اَبُو الْمُتَوَكِّلِ۔

(صحیح بخاری کتاب القصاص ص ۱/۳۳۰)

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا جب مومن دوزخ سے خلاصی پائیں گے تو اُن کو جنت اور دوزخ کے درمیان پل پر روک دیا جائے گا۔ اور انہوں نے دنیا میں جو ایک دوسرے پر ظلم کئے تھے ان کا بدلہ لیا جائے گا حتی کہ جب بالکل صاف اور پاک ہوجائیں گے تو ان کو جنت میں داخل ہونے کی اجازت دی جائے گی اس ذات کی قسم جس کے دستِ قدرت میں محمد ﷺ کی جان ہے وہ دنیا میں اپنے مکان کی نسبت جنت میں اپنے مسکن کو زیادہ پہچانے گا۔ یونس بن محمد نے کہا ہم کو شیبان نے قتادہ سے خبر دی انہوں نے کہا ہم سے ابوالمتوکل نے بیان کیا۔

تشریح

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت میں دو پُل ہوں گے ایک یہ جس پر مظالم کا بدلہ لیا جائے گا اور دوسرا وہ جو دوزخ پر ہے جسے پل صراط کہا جاتا ہے۔ ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا کہ بخاری میں مذکور حدیث میں مظالم کا بدلہ ان لوگوں سے لیا جائے گا جن کے مظالم اتنے نہ ہوں جو اُن کی تمام نیکیوں سے زیادہ ہوں کیونکہ ایسے لوگ جن کی نیکیوں سے زیادہ گناہ ہوں گے۔ وہ دوزخ میں ہوں گے ان کے متعلق نہیں کہا جائے گا کہ جب وہ دوزخ سے نجات پائیں گے۔ یتقاصون صیغہ سے پتہ چلتا ہے کہ دو شخصوں میں سے ہر ایک کا دوسرے پر کوئی ظلم ہو اور اس کی وجہ سے وہ دوزخ کا مستحق نہ ہو تو ان کا بدلہ نیکیوں میں ہوگا۔ گناہوں میں نہیں ہوگا لہذا جس کے مظالم اپنے ساتھی کے مظالم سے زیادہ ہوں گے وہ اس کی نیکیاں لے گا اور دونوں

جنت میں داخل ہو جائیں گے اور اپنی اپنی باقی ماندہ نیکیوں کے اعتبار سے جنت میں منازل اختیار کریں گے اسی لئے دوزخ سے نجات پانے کے بعد وہ مظالم کا بدلہ لیں گے۔

بعض علماء نے کہا انہوں نے ایک دوسرے کو تھپڑ وغیرہ مارے ہوئے تھے ان کا بدلہ ہوگا جیسے سینگوں والی بکری سے وہ بکری بدلہ لے گی جس کے دنیا میں سینگ نہیں تھے۔ وہ جنت میں داخل ہونے کے بعد اپنے اپنے کو خوب پہچانتے ہوں گے کیونکہ وہ صبح و شام ان کے سامنے کئے جاتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم رسولہ

حدیث نمبر 21

عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ اَنَّ اَهْلَ قُبَاءٍ اقْتَتَلُوْا حَتّٰى تَرَامَوْا بِالْحِجَارَةِ فَاُخْبِرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِذٰلِكَ فَقَالَ اِذْهَبُوْا بِنَا نُصْلِحُ بَيْنَهُمْ۔

(صحیح بخاری کتاب الصلح ۱/۳۷۱)

ترجمہ: سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ اہل قبا کے درمیان جھگڑا ہو گیا۔ حتیٰ کہ انہوں نے ایک دوسرے پر پتھر پھینکے نبی اکرم ﷺ کو یہ خبر پہنچی تو آپ نے فرمایا ہمارے ساتھ چلو ان کے درمیان صلح کرائیں۔

تشریح

صلح کا لغوی معنیٰ نزاع کا خاتمہ کرنا اور شرعاً صلح وہ عقد ہے جس سے نزاع ختم ہو، صلح مستحب امر ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کے درمیان جب جھگڑا شدت اختیار کر جائے تو امام کو اُن میں صلح کرا دینی چاہیے اور وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ جائے وقوعہ پر پہنچے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ سید عالم ﷺ لوگوں میں اختلاف کو اچھا نہ سمجھتے تھے اور آپ بہت متواضع تھے۔ حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں تم کو صیام، صلوٰۃ اور صدقہ سے اچھی شے کی خبر نہ دوں، لوگوں نے کہا کیوں نہیں یا رسول اللہ ﷺ ضرور فرمائیں۔ آپ نے فرمایا دو مخالفوں کے درمیان صلح

کرا دینا کیونکہ دشمنی اور مخالفت ایمان کو نقصان پہنچاتی ہے۔ علماء کوفہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے کہا کہ اگر قاضی کا یہ خیال ہو کہ دونوں مخالف گروپ آپس میں صلح کر لیں گے تو ان کو بار بار کہتے جاؤ صلح کر لو اور ان میں حکم نافذ نہ کرے اور ایک دو مرتبہ سے زیادہ ان کو واپس نہ کرے اور اگر اس کو یہ معلوم ہو کہ یہ صلح نہیں کریں گے تو ان میں فیصلہ کر دے کیونکہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جھگڑا کرنے والوں کو بار بار واپس کیا تا کہ وہ صلح کر لیں، کیونکہ قاضی کے فیصلہ سے لوگوں میں مخالفت بڑھ جاتی ہے امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا قاضی ان کو صلح کرنے کی ترغیب دے اور ایک دو دن تک فیصلہ نہ دے امام بخاری کا رجحان اس طرف ہے کہ جب لوگوں کا جھگڑا انجمن میں بڑھ جائے تو حاکم جائے واردات پر جائے اور لوگوں میں صلح کرائے۔

حدیث نمبر 22

اَنَّ اَبَا سَعِيْدٍ حَدَّثَهٗ قَالَ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَيُّ النَّاسِ اَفْضَلُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مُؤْمِنٌ يُجَاهِدُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِنَفْسِهٖ وَ مَالِهٖ قَالُوْا ثُمَّ مَنْ قَالَ مُؤْمِنٌ فِيْ شِعْبٍ مِنَ الشِّعَابِ يَتَّقِي اللّٰهَ وَ يَدَعُ النَّاسَ مِنْ شَرِّهٖ۔

(صحیح بخاری کتاب الجہاد ۱/۳۹۱)

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ لوگوں میں سے کون افضل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا جو مؤمن اپنے مال و جان کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کرے۔ لوگوں نے کہا پھر اس کے بعد کون سا عمل افضل ہے تو آپ نے فرمایا جو مؤمن کسی گھاٹی میں رہے اور اللہ سے ڈرتا ہے اور لوگوں کو شر نہ پہنچائے۔

تشریح

یعنی لوگوں سے علیحدہ رہے اور غالباً گھاٹی لوگوں سے خالی ہوتی ہے اس لئے اس کو ذکر کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں سے الگ تھلگ ہو کر رہنا اور تنہائی اختیار کرنا افضل ہے۔

خصوصاً جب فتنوں کا شدید خطرہ ہو اور لوگوں سے اختلاط میں مصائب کا سامنا در پیش ہو۔ امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا کہ امام شافعی اور اکثر علماء کا مذہب یہ ہے کہ لوگوں میں میل جول تنہائی سے افضل ہے۔ بشرطیکہ اختلاط میں سلامتی کی امید ہو چنانچہ سید عالم ﷺ نے فرمایا جو مؤمن لوگوں سے اختلاط کرے اور ان کی اذیتوں پر صبر اور تحمل کرے تو اس کو اس مؤمن سے ثواب زیادہ ملے گا جو لوگوں سے اختلاط نہیں کرتا اور ان کی اذیتوں پر صبر نہیں کرتا۔

(ترمذی، ابن ماجہ)

حدیث نمبر 23

عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِيْ طَلْحَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّه سَمِعَه يَقُوْلُ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَدْخُلُ عَلٰى أُمِّ حَرَامٍ بِنْتِ مِلْحَانَ فَتُطْعِمُه وَكَانَتْ أُمُّ حَرَامٍ تَحْتَ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ فَدَخَلَ عَلَيْهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَأَطْعَمَتْه وَجَعَلَتْ تَفْلِيْ رَأْسَه فَنَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ثُمَّ اسْتَيْقَظَ وَهُوَ يَضْحَكُ قَالَتْ مَا يُضْحِكُكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ نَاسٌ مِنْ أُمَّتِيْ عُرِضُوْا عَلَيَّ غُزَاةً فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَرْكَبُوْنَ ثَبَجَ هٰذَا الْبَحْرِ مُلُوْكًا عَلَى الْأَسِرَّةِ أَوْ مِثْلَ الْمُلُوْكِ عَلَى الْأَسِرَّةِ شَكَّ إِسْحٰقُ قَالَتْ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ادْعُ اللّٰهَ أَنْ يَجْعَلَنِيْ مِنْهُمْ فَدَعَا لَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ثُمَّ وَضَعَ رَأْسَه ثُمَّ اسْتَيْقَظَ وَهُوَ يَضْحَكُ فَقُلْتُ مَا يُضْحِكُكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ نَاسٌ مِنْ أُمَّتِيْ عُرِضُوْا عَلَيَّ غُزَاةً فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَا قَالَ فِي الْأُوْلٰى قَالَتْ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ادْعُ اللّٰهَ أَنْ يَجْعَلَنِيْ مِنْهُمْ قَالَ أَنْتِ مِنَ الْأَوَّلِيْنَ فَرَكِبَتِ الْبَحْرَ فِيْ زَمَانِ مُعَاوِيَةَ ابْنِ أَبِيْ سُفْيَانَ فَصُرِعَتْ عَنْ دَابَّتِهَا حِيْنَ خَرَجَتْ مِنَ الْبَحْرِ فَهَلَكَتْ.

(صحیح بخاری کتاب الجہاد ۱/۳۹۱)

ترجمہ: اسحاق بن عبداللہ بن ابوطلحہ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت انس بن مالک کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ ﷺ امّ حرام بنت ملحان رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے جاتے تھے وہ آپ کو کھانا کھلاتی تھی اور امّ حرام حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی ہے (ایک روز) رسول اللہ ﷺ ان کے گھر گئے تو انہوں نے آپ کو کھانا کھلایا اور آپ کے سر مبارک کو آرام پہنچانے لگیں اور نبی اکرم ﷺ سو گئے پھر بیدار ہوئے جب کہ آپ ہنس رہے تھے۔ امّ حرام کہتی ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ کو کس نے ہنسایا ہے؟ آپ نے فرمایا میری امت کے کچھ لوگ میرے سامنے اس حال میں پیش ہوئے جو اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں کہ وہ اس سمندر کے درمیان بادشاہوں کے تختوں پر سوار ہیں یا وہ تختوں پر بادشاہوں کی طرح بیٹھے ہیں اسحاق نے یہ شک سے بیان کیا ہے۔ ام حرام نے کہا، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ مجھے ان لوگوں میں کرے۔ نبی اکرم ﷺ نے ان کے لئے دعا فرمائی پھر سر مبارک رکھا اور سو گئے پھر ہنستے ہوئے بیدار ہوئے تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کو کس نے ہنسایا ہے؟ آپ نے فرمایا میری امت میں سے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے لوگ میرے سامنے پیش ہوئے جیسے پہلی دفعہ فرمایا تھا۔ ام حرام نے کہا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اللہ سے دعا کیجئے کہ مجھے ان لوگوں میں کرے، آپ ﷺ نے فرمایا تم پہلے لوگوں میں شامل ہو چکی ہو امّ حرام رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضرت امیر معاویہ بن ابوسفیان کے زمانہ میں سمندر پر سوار ہوئیں اور جس وقت سمندر سے نکلیں تو اپنی سواری سے گر کر شہید ہو گئیں۔

تشریح

یعنی لوگ خوشحالی اور کثرتِ تعداد میں بادشاہوں کی طرح اچھے حال میں ہوں گے قولہ انت من الاولین، سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسری بار پیش ہونے والے اور لوگ تھے۔ ام حرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سید عالم ﷺ کی محرم تھیں ابن عبدالبر نے کہا کہ وہ سید عالم ﷺ کی رضاعی خالہ ہیں۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ محرم عورت سر کو مَس کر سکتی ہے اور تنہائی میں اس

کے پاس بیٹھنا جائز ہے اور اس کے گھر میں نیند کرنا صحیح ہے اور شادی شدہ عورت جو بھی کھلائے اس کے گھر میں طعام کھانا جائز ہے اور عورتیں سمندر میں سفر کرسکتی ہیں امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کو مکروہ کہتے ہیں اور خوشی کے وقت ہنسنا جائز ہے کیونکہ سید عالم ﷺ اس خوشی میں ہنسے تھے کہ آپ کے بعد آپ کی امت کو غلبہ حاصل ہوگا اور جہاد کے ذریعہ اسلام کے امور قائم رہیں گے یہ سب معجزات ہیں آپ کے بعد آپ کی برکت سے آپ کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو غلبہ اور سرفرازی حاصل ہوگی۔ اور وہ سمندروں میں سفر کرکے جہاد کریں گے اور اللہ کے فضل و کرم سے ایسا ہی ہوا جو آپ نے فرمایا تھا۔ قولہ ملوکا علی الاسرۃ الخ یعنی وہ وسعتِ حال میں تختوں پر بیٹھنے والے بادشاہوں کی مثل ہوں گے۔ ابو عمر نے کہا اس سے مراد یہ ہے کہ سید عالم ﷺ نے سمندر میں سفر کرکے جہاد کرنے والوں کو دیکھا کہ وہ جنت میں تختوں پر بیٹھے ہوئے ہیں۔

اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا خواب وحی ہوتا ہے اس کا معنٰی کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''علی الارائک متکئون'' کہ جنتی لوگ بادشاہوں کی طرح تختوں پر بیٹھیں گے۔ ابن تین نے ذکر کیا کہ دوسرا خواب خشکی میں جہاد کرنے والوں کے متعلق ہے اور سید عالم ﷺ نے خشکی اور سمندر میں جہاد کرنے والوں کا حال بیان فرمایا ہے کہ ان کا حال بادشاہوں کے تختوں پر بیٹھنے جیسا ہوگا یہ بھی کہنا ممکن ہے کہ دنیا میں ان کی حالت بادشاہوں جیسی ہوگی اور وہ کسی کی پرواہ نہیں کریں گے۔ ام حرام اپنے شوہر کے ساتھ ۲۸ ہجری میں روم جنگ میں گئی تھیں اور جنگ سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت میں لڑی گئی تھی۔

جس کے سپہ سالار حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ تھے۔ علامہ عینی نے کہا ہے کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں پر شفقت اور مہربانی کرتے ہوئے سمندر عبور کرکے جہاد کرنے سے منع کردیا تھا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے اجازت طلب کی تو آپ نے ان کو اجازت نہ دی۔ جب سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا عہد خلافت تھا تو امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پھر اجازت طلب کی تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ان کو اجازت دے دی۔ اور ان سے کہا کہ کسی کو مجبور نہ کرنا جو خوشی سے جہاد میں جانا چاہیے اس کو

ساتھ لے جانا چنانچہ امیر معاویہ نے صحابہ کی ایک جماعت ہمراہ لی جن میں ابوذر، عبادہ بن صامت، اور ان کی بیوی امّ حرام بنت ملحان، شداد بن اوس اور ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہم تھے اور انہوں نے غلبہ کے ساتھ روم فتح کیا۔

حدیث نمبر 24

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ مَا حَقُّ امْرَءٍ مُسْلِمٍ لَہٗ شَیْءٌ یُوْصٰی فِیْهِ یَبِیْتُ لَیْلَتَیْنِ اِلَّا وَصِیَّتُہٗ مَکْتُوْبَةٌ عِنْدَہٗ تَابَعَہٗ مُحَمَّدُ بْنُ مُسْلِمٍ عَنْ عَمْرٍو عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ۔

(صحیح بخاری کتاب الوصایا ۱/۳۸۲)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کسی مسلمان مرد کا حق نہیں جس کے پاس کوئی شے ہو جس میں وہ وصیت کرے۔ دو راتیں گزارے مگر یہ کہ وصیت اس کے پاس لکھی ہونی چاہیے۔ محمد بن مسلم نے عمرو کے ذریعہ ابن عمر سے انہوں نے نبی کریم سے روایت کی ہے۔

تشریح

وصایا۔ وصیت کی جمع ہے۔ شریعت مطہرہ میں وصیت تملیک سے جس کی نسبت موت کے بعد والے امور کی طرف ہے اس کو وصیت اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس کے ذریعے میت حیات والی اشیاء کو موت کے بعد پہنچاتی ہے۔

دو راتوں کی حد مقرر نہیں ہے۔ حدیث کا معنٰی یہ ہے کہ جس چیز میں وصیت کرنا ہو۔ اس کے پاس وصیت لکھی ہونی چاہیے اور اس کے بغیر تھوڑا سا وقت بھی نہیں گزرنا چاہیے۔ اس حدیث سے ظاہریہ نے استدلال کیا کہ وصیت لکھ کر اپنے پاس رکھنا واجب ہے۔ احناف کا مذہب یہ ہے کہ وصیت مستحب ہے کیونکہ یہ اپنے مال میں حق کا اثبات ہے لہٰذا یہ ہبہ کی طرح ہے واجب نہیں۔ اس باب کی حدیث سے وجوب وصیت پر استدلال صحیح نہیں ہے کیونکہ اس حدیث کے راوی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے وصیت نہیں کی تھی اگر وصیت

واجب ہوتی تو ابن عمر کا اپنی روایت کے خلاف کرنا محال ہوتا۔ کیونکہ راوی نے اپنی رائے سے نبی کریم ﷺ کی مخالفت نہیں کرسکتا اور جب ان سے یہ مروی ہے کہ انہوں نے وصیت نہیں کی تو معلوم ہوا کہ حدیث کی دلالت وجود کے لئے نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

حدیث نمبر 25

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ الْمَالُ لِلْوَلَدِ كَانَتِ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ فَنَسَخَ اللّٰهُ مِنْ ذٰلِكَ مَا اَحَبَّ فَجَعَلَ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ وَجَعَلَ لِلْاَبَوَيْنِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ وَ جَعَلَ لِلْمَرْاَةِ الثُّمُنُ وَ الرُّبُعَ وَلِلزَّوْجِ الشَّطْرَ وَ الرُّبُعَ۔

(صحیح بخاری کتاب الوصایا ۱/۳۸۳)

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا مال اولاد کے لئے تھا اور والدین کے لئے وصیت تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس میں سے جو چاہا منسوخ کردیا اور مذکر کے لئے دو عورتوں کے برابر حصہ کیا۔ اور ماں باپ میں سے ہر ایک کا چھٹا حصہ دیا اور بیوی کو آٹھواں یا چوتھا حصہ اور شوہر کو نصف یا چوتھا حصہ دیا۔

تشریح

یعنی والدین کے لئے وصیت منسوخ ہوگئی۔ تو ان کے لئے وصیت کا بدل میراث کردی گئی معلوم ہوا کہ وصیت کا بدل میراث کردی گئی۔ معلوم ہوا کہ وصیت اور میراث دونوں جمع نہیں ہوتے۔ جب والدین کا یہ حال ہے تو دوسروں کا یہ حال بطریق اولیٰ ہوگا کہ ان کے وصیت اور میراث کو جمع نہ کیا۔ تو حدیث کا خلاصہ یہ ہوا کہ وارث کے لئے وصیت جائز نہیں۔ اور اگر شوہر فوت ہوجائے اور اس کی اولاد ہو تو بیوی کو آٹھواں حصہ ملے گا ورنہ چوتھا حصہ ملے گا اور اگر بیوی فوت ہوجائے اور اس کی اولاد ہو تو شوہر کو چوتھا حصہ ملے گا۔ اگر اولاد نہ ہو تو اس کو نصف ملے گا اگر کسی نے بعض وارثوں کے لئے وصیت کی اور اس کو بعض نے اس کی زندگی میں اس کی اجازت دیدی پھر اس کی وفات کے بعد منحرف ہوگئے تو عطاء بن ابی رباح اور حسن

بصری نے اس کو جائز قرار دیا اور اس کی وفات کے بعد وارثوں کے انحراف کا اعتبار نہ کیا اور کہا کہ وارث رجوع نہیں کرسکتے ہیں۔ اور امام ابوحنیفہ، امام شافعی، احمد اور سفیان ثوری رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے کہا اگر وہ چاہیں تو رجوع کرسکتے ہیں۔ اور امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا اگر اس کی صحت کے زمانہ میں اجازت دی تھی تو رجوع کرسکتے ہیں اور اگر اس کی بیماری کی حالت میں اجازت دی تھی۔ جبکہ وہ اپنے مال سے محجوب ہوچکا تھا تو رجوع نہیں کرسکتے ہیں علامہ منذری نے کہا اکثر اہل علم کہتے ہیں کہ دوسرے وارثوں کے حقوق کے باعث وارث کے لئے وصیت باطل ہے اور اگر وہ اجازت دے دیں تو جائز ہے۔ جیسے ایک تہائی مال سے زیادہ وصیت جائز نہیں لیکن وارث اگر اس کی اجازت دے دیں تو جائز ہے اور بعض علماء کہتے ہیں اگرچہ دوسرے وارث اجازت بھی دیدیں جب جائز نہیں، کیونکہ منع شرع کا حق ہے اور اگر ہم اس کو جائز قرار دیں تو لازم آئے گا کہ جس کو شرع نے منسوخ کردیا ہے اور اس سے منع کیا۔ اس کو ہم استعمال کریں اور یہ جائز نہیں۔ اہل ظاہر بھی یہی کہتے ہیں۔ ابن منذر نے کہا امام مالک، سفیان ثوری، اہل کوفہ، اور امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہم سب اس بات پر متفق ہیں کہ اگر وارثوں نے اس کی وفات کے بعد وصیت کو جائز قرار دیا تو یہ ان پر لازم ہوگی۔ نیز اس بات میں بھی سب متفق ہیں کہ موت کے وقت موصیٰ لہٗ وارث، ہو حتیٰ کہ اگر اپنے بھائی کے لئے وصیت کرے جبکہ میت کا بیٹا نہ ہو جو مذکور بھائی کے لئے ...... ہے اور مرنے سے پہلے اس کا بیٹا پیدا ہوجائے تو بھائی کے لئے وصیت جائز ہے کیونکہ بیٹے کے پیدا ہونے پر بھائی وراث نہ رہا۔ اور اگر اپنے بھائی کے لئے وصیت کی حالانکہ اس کا بیٹا بھی ہے اور موصی کی موت سے پہلے بیٹا مرگیا تو بھائی کے لئے وصیت جائز نہیں کیونکہ بیٹے کے مرنے سے بھائی وارث ہوگیا اور وارث کے لئے وصیت جائز نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

حدیث نمبر 26

اَخْبَرَنِیْ یَعْلٰی اَنَّهٗ سَمِعَ عِكْرِمَةَ يَقُوْلُ اَنْبَاَنَا ابْنُ عَبَّاسٍ اَنَّ سَعْدَ بْنَ عُبَادَةَ تُوُفِّيَتْ اُمُّهٗ وَ هُوَ غَائِبٌ عَنْهَا فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَنَّ اُمِّیْ

تُوُفِّيَتْ وَ اَنَا غَائِبٌ عَنْهَا اَيَنْفَعُهَا شَيْءٌ اِنْ تَصَدَّقْتُ بِهٖ عَنْهَا قَالَ نَعَمْ قَالَ فَاِنِّيْ اُشْهِدُكَ اَنَّ حَائِطِيَ الْمِخْرَافَ صَدَقَةٌ عَلَيْهَا۔

(صحیح بخاری کتاب الوصایا ۳۸۶/۱)

ترجمہ: یعلی نے بیان کیا کہ انہوں نے عکرمہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ہم سے ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ کی والدہ فوت ہو گئیں حالانکہ وہ غائب تھے انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ میری والدہ فوت ہو گئی ہے جبکہ میں غائب تھا۔ کیا اگر میں کوئی شے اس کی طرف سے صدقہ کروں تو وہ اس کو نفع دے گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں (ضرور نفع دے گی) سعد نے کہا (یارسول اللہ) میں آپ کو گواہ بناتا ہوں کہ میرا باغ اس کے لئے صدقہ ہے۔

تشریح

جب باغ کے چاروں طرف دیوار ہو تو اس کو حائط کہا جاتا ہے اس کی جمع حوائط ہے۔ اور حدیث میں مذکور مخراف بولا جاتا ہے علامہ خطابی نے کہا محراف، پھل ہے اس کو مخراف اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس کا پھل چنا جاتا ہے بعض علماء نے کہا ہے کہ مخراف درخت ہے۔ الحاصل مخراف، سعد بن عبادہ کے باغ کا نام مخراف ہے۔ وہ انصار کے سردار تھے اور قبیلہ خزرج سے تعلق رکھتے تھے ان کی والدہ کا نام عمرہ بنت مسعود تھا وہ مسلمان ہو گئی تھی اور سید عالم ﷺ کی بیعت کی تھی اور پانچ ہجری میں فوت ہو گئی جبکہ سید عالم ﷺ دومۃ الجندل کے غزوہ میں مصروف تھے اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ میت کیطرف سے صدقہ کیا جائے تو اس کو صدقہ کا ثواب پہنچتا ہے اور اس کو نفع دیتا ہے۔

علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "اَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى" کو اس حدیث نے خاص کر دیا آیت اپنے عموم پر نہیں یعنی اس آیت کے مفہوم کا مصداق کافر ہے اس کو صدقہ کا ثواب نہیں پہنچتا۔

ابوداؤد نے کتاب الوصیت میں اوزاعی سے روایت ذکر کی کہ عاص بن وائل نے وصیت کی اس کی طرف سے ایک سو غلام آزاد کیا جائے اس کے بیٹے ہشام نے پچاس غلام آزاد

کر دیئے اور اس کے دوسرے بیٹے عمرو نے جب باقی پچاس غلام آزاد کرنے چاہیے تو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئے اور واقعہ عرض کیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر وہ مسلمان ہوتا اور تم اس کی طرف سے غلام آزاد کرتے اور صدقہ وخیرات کرتے یا اس کی طرف سے حج کرتے تو وہ اس کو پہنچتا۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان اموات کو صدقات کا ثواب پہنچتا ہے۔ البتہ کافر کو ثواب نہیں پہنچتا اور قرآن کی مذکورہ آیہ کریمہ کا محمل بھی کافر انسان ہے نیز ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ایک عورت نے عرض کیا یارسول اللہ! میری والدہ اچانک فوت ہو گئی ہے اگر اچانک فوت نہ ہوتی تو وہ صدقہ وخیرات کرتی کیا اگر میں اس کی طرف سے صدقہ کروں تو اس کے لئے کافی ہو گا اور اس کو نفع دے گا۔ آپ نے فرمایا: ہاں۔ اس کی طرف سے صدقہ کرو (ابوداؤد) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب انسان فوت ہو جائے تو تین اشیاء کے سوا اس کا ہر عمل ختم ہو جاتا ہے۔ (۱) صدقہ جاریہ۔ (۲) تعلیم دین۔ (۳) نیک اولاد جو اس کے لئے دعا کرے۔ (ابوداؤد) ان کا ثواب بدستور میت کو پہنچتا رہتا ہے نیز حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا یارسول اللہ سعد کی ماں فوت ہو گئی ہے اس کے لئے کونسا صدقہ افضل ہے آپ نے فرمایا پانی پلانا افضل صدقہ ہے چنانچہ سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کنواں کھودا اور کہا یہ سعد کی ماں کے لئے ہے (ابوداؤد) ان روایات سے معلوم ہوتا ہے اموات کے لئے ایصال ثواب جائز ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ میری ماں فوت ہو گئی ہے اگر میں اس کی طرف سے صدقہ کروں تو اس کو نفع دے گا! آپ نے فرمایا ہاں (نفع دے گا) اس نے کہا میرا باغ ہے میں آپ کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے وہ اپنی ماں کی طرف سے صدقہ کر دیا ہے ان روایات سے واضح ہوتا ہے کہ اموات کو ثواب پہنچتا ہے اور پانی اور پھلوں کا صدقہ زیادہ بہتر ہے اور اموات کے لئے ان کی تعیین جائز ہے جیسا کہ حضرت سعد نے کہا تھا ھذہ لام سعد یعنی یہ سعد کی ماں کے لئے ہے۔ معلوم ہوا کہ کسی طرف نسبت کرنا جائز ہے۔ ابوداؤد نے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ کے پاس مینڈھا لایا گیا تو آپ ﷺ نے اس کو اپنے ہاتھ سے ذبح کیا اور فرمایا بسم اللہ اللہ اکبر یہ میری طرف سے اور میری

امت کے ان لوگوں کی طرف سے ہے جنہوں نے قربانی نہ کی ہوگی۔

الحاصل ایصال ثواب میں علماء کا اتفاق ہے کہ وہ میت کو پہنچتا ہے اسی طرح قرات قرآن اوراذ کار کا ثواب بھی اموات کو پہنچتا ہے شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے لمعات میں ذکر کیا کہ عبادات مالیہ اور بدنیہ کا ثواب اموات کو پہنچتا ہے ابوداؤد نے ابراہیم بن صالح بن درہم سے روایت کی کہ انہوں نے کہا میں نے اپنے باپ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ہم حج کے لئے روانہ ہوئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک شخص نے ہم سے کہا تمہارے پہلو میں ایک گاؤں ہے اس کو اُبلہ کہا جاتا ہے ہم نے کہا ہاں ٹھیک ہے اس نے کہا کون شخص ہے جو مجھے اس بات کی ضمانت دے کہ وہ مسجد عشار میں دو یا چار رکعتیں پڑھے اور کہے یہ ابو ہریرہ کے لئے ہے معلوم ہوا کہ عبادات مال اور بدنیہ کا ثواب اموات کو پہنچتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

حدیث نمبر 27

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ اجْتَنِبُوْا السَّبْعَ الْمُوْبِقَاتِ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ وَ مَا هُنَّ قَالَ الشِّرْكُ بِاللّٰهِ وَ السِّحْرُ وَ قَتْلُ النَّفْسِ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَ اَكْلُ الرِّبٰوا وَ اَكْلُ مَالِ الْیَتِیْمِ وَ التَّوَلِّیْ یَوْمَ الزَّحْفِ وَ قَذْفُ الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ الْغَافِلَاتِ ۔(صحیح بخاری کتاب الوصایا ۱/۳۸۸)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا یہ سات مہلک چیزوں سے بچتے رہو۔ صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ وہ کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا۔ اللہ کا شریک بنانا۔ جادو کرنا، کسی جان کو ناحق قتل کرنا جس کو قتل کرنا اللہ نے حرام کیا ہے۔ سود کھانا، یتیم کا مال کھانا۔ لڑائی کے دن بھاگ جانا۔ پاک دامن عورتوں کو تہمت لگانا جو زنا سے غافل ہیں۔

تشریح

اس حدیث میں کبائر (بڑے بڑے گناہ) سات ذکر کئے ہیں لیکن اس کو یہ لازم نہیں کہ

ان کے سوا اور کبائر نہیں ہیں کیونکہ ایک عدد کا ذکر دوسرے عدد کے منافی نہیں ہوتا۔ احادیث نبویہ میں اور بھی کبائر مذکور ہیں مثلاً جھوٹی گواہی دینا، والدین کی نافرمانی کرنا، بیت اللہ کی بے حرمتی کرنا۔

پاک دامن عورت کو زانی کے قبضہ میں دینا۔ مسلمان کو اس کے قاتل کے قبضہ میں دینا، کافروں کو مسلمانوں کے اسرار پر مطلع کرنا، حالانکہ وہ جانتا ہے اس طرح کافر مسلمان کو ہلاک کردیں گے یا ان کو قید کرلیں گے اور ان کے مال لوٹ کرلے جائیں گے چھوٹے گناہ پر اصرار کرنا، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کبائر ستر ۷۰ شمار کئے ہیں اور ان میں سے ایک رِوایت میں سات سو کبائر مذکور ہیں تحقیق یہ ہے کہ شارع علیہ السلام نے ایک مجلس میں سارے کبائر ذکر نہیں فرمائے بلکہ مجلس کے حال کے اعتبار سے مناسب کبائر ذکر کردیئے اور ایک عدد کی تخصیص کا یہ مقتضی نہیں کہ اس سے اکثر نہ ہوں۔ شیخ عزالدین بن عبدالسلام نے صغائر اور کبائر کے درمیان فرق کا یہ طریقہ بیان کیا ہے کہ گناہ کا فساد حدیث میں مذکور کبائر کے مفاسد پر پیش کرو اگر وہ کبائر کے اقل مفاسد سے کم ہے تو صغیرہ ہے ورنہ کبیرہ گناہ ہے اور کبائر کے چھوٹے سے فساد کے مساوی ہے۔ یا پتہ نہیں چلتا کہ یہ بڑا ہے یا وہ۔ تو وہ کبیرہ ہی شمار ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو گالی دینا، رسولوں کی اہانت کرنا یا ان کو جھٹلانا، کعبہ مکرمہ پر غلاظت پھینکنا، قران کریم کو گندی جگہ پھینکنا، کبائر میں سے بڑے گناہ ہیں ان کو شریعت نے ذکر نہیں کیا حضور سید عالم ﷺ کی شان میں کسی تحریر سے آپ ﷺ کی توہین موسوم ہو اگرچہ اُس نے یہ قصد نہ کیا ہو یہ بھی کبیرہ گناہ ہے اور کفر ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ایک روایت ہے کہ جس سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔ وہ کبیرہ گناہ ہے۔ قاضی عیاض نے کہا محققین کا یہی مسلک ہے مگر اس سے یہ سمجھنا غیر مفہوم ہے کہ ابن عباس کے نزدیک صغائر اور کبائر میں فرق نہیں۔ کیونکہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اس آیت کریمہ

اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَائِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ ، وَ الَّذِیْنَ یَجْتَنِبُوْنَ كَبَائِرَ الْاِثْمِ وَ الْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ۔

کی تفسیر...... میں سے کبائر اور صغائر بیان کئے ہیں اور ان کے حکم میں فرق کیا ہے جبکہ

انہوں نے گناہوں کے کفارہ کے لئے کبائر سے اجتناب کو شرط قرار دیا ہے اور کبائر سے کم مستثنیٰ
کیے ہیں لہذا ابن عباس کے نزدیک کبائر اور صغائر میں فرق واضح ہے جادو کرنا کبیرہ گناہ ہے
جس پر جادو کیا گیا ہو اس کا علاج یہ ہے کہ بیری کے درخت کے سات پتے دو پتھروں کے
درمیان باریک کر کے پھر ان کو پانی میں ملا کر اس پر آیت الکرسی پڑھی جائے مسحور شخص اس پانی
کے تین گھونٹ پی کر باقی پانی سے غسل کرے تو جادو کا اثر جاتا رہے گا۔ خصوصاً وہ جادو جس کے
باعث انسان بیوی سے جماع پر قادر نہ ہو سکے اس کے لئے یہ اکسیر ہے۔

حدیث نمبر 28

اَنَّهُ سَمِعَ اَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَقُوْلُ جَاءَ ثَلٰثَةُ رَهْطٍ اِلٰى بُيُوْتِ اَزْوَاجِ
النَّبِيِّ ﷺ يَسْئَلُوْنَ عَنْ عِبَادَةِ النَّبِيِّ ﷺ فَلَمَّا اُخْبِرُوْا كَاَنَّهُمْ
تَقَالُّوْهَا فَقَالُوْا وَ اَيْنَ نَحْنُ مِنَ النَّبِيِّ ﷺ قَدْ غُفِرَلَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ
ذَنْبِهٖ وَ مَا تَاَخَّرَ قَالَ اَحَدُهُمْ اَمَّا اَنَا فَاِنِّيْ اُصَلِّي اللَّيْلَ اَبَدًا وَ قَالَ
اٰخَرُ اَنَا اَصُوْمُ الدَّهْرَ وَلَا اُفْطِرُ وَ قَالَ اٰخَرُ وَ اَنَا اَعْتَزِلُ النِّسَآءَ
فَلَا اَتَزَوَّجُ اَبَدًا فَجَاءَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِلَيْهِمْ فَقَالَ اَنْتُمُ الَّذِيْنَ
قُلْتُمْ كَذَا وَ كَذَا اَمَا وَاللّٰهِ اِنِّيْ لَاَخْشَاكُمْ لِلّٰهِ وَ اَتْقَاكُمْ لَهٗ لٰكِنِّيْ
اَصُوْمُ وَ اُفْطِرُ وَ اُصَلِّيْ وَ اَرْقُدُ وَ اَتَزَوَّجُ النِّسَآءَ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ
سُنَّتِيْ فَلَيْسَ مِنِّيْ۔

(صحیح البخاری کتاب النکاح ۲/۷۵۷)

ترجمہ: انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے کہا تین آدمی نبی کریم ﷺ کی ازواج
مطہرات کے گھروں کی طرف آئے۔ اس حال میں کہ نبی کریم ﷺ کی عبادت کے
متعلق پوچھتے تھے۔ جب انہیں خبر دی گئی تو انہوں نے آپ کی عبادت کو کم جانا اور کہا
ہم نبی اکرم ﷺ کی نسبت کہاں ہیں۔ (ہم نبی کریم سے برابری نہیں کر سکتے
ہیں) آپ کے سب اگلوں اور پچھلوں کے گناہ معاف فرمائے (لہذا آپ کو عبادت

میں زیادہ کوشش کی ضرورت نہیں) ان میں سے ایک نے کہا میں ہمیشہ رات بھر نماز
پڑھتا رہوں گا دوسرے نے کہا میں سارا سال روزے سے رہوں گا۔ اور افطار نہ
کروں گا اور تیسرے نے کہا میں عورتوں سے علیحدہ رہوں گا۔ کبھی نکاح نہ کروں گا
اتنے میں رسول اکرم ﷺ تشریف لے آئے اور فرمایا تم وہ لوگ ہو جنہوں نے ایسی
ایسی باتیں کی ہیں خبردار بخدا! میں تم میں سے سب سے زیادہ اللہ سے ڈرتا ہوں، لیکن
میں روزے رکھتا ہوں افطار بھی کرتا ہوں، نماز پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور عورتوں
سے نکاح بھی کرتا ہوں جس نے میری سنت سے اعراض کیا وہ میرے تابعداروں
سے نہیں ہے۔

تشریح

لغت میں نکاح کے معنی وطی کے ہیں۔ تزویج پر اس کا اطلاق اس لئے کرتے ہیں کہ یہ وطی
کا سبب ہے۔ مسبب کا سبب پر اطلاق ہے اس لئے امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ
نکاح کا حقیقی معنی وطی ہے عقد پر اطلاق مجازی ہے بعض لوگ اس کے برعکس کہتے ہیں۔ زجاج
نے کہا کلام عرب میں یہ دونوں معنوں کے لئے وضع کیا گیا ہے۔

اس حدیث کا صریح منطوق یہ ہے کہ نکاح سنت نبویہ ہے بعض نے کہا نکاح سنن اسلامیہ
میں سے ہے، چنانچہ سید عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا اسلام میں رہبانیت نہیں، نیز حدیث سے
معلوم ہوتا ہے کہ عمداً سنت ترک کرنا مذموم ہے اور یہ خوف ہے کہ ربقہ اسلام سے خارج
ہو جائے۔ نکاح کے بارے میں حضرات علماء کرام میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ حنفیہ کہتے
ہیں نکاح مستحب عبادت ہے۔ شافعیہ اسے عبادت سے شمار نہیں کرتے وہ کہتے ہیں نکاح
دوسرے معاملات کی طرح ہے اُن کا کہنا ہے عبادت میں معروف رہنے کے لئے نکاح
دوسرے معاملات کی طرح ہے اُن کا کہنا ہے عبادت میں مصروف رہنے کے لئے نکاح نہ کرنا
افضل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کی مدح وثناء کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ قدرت
کے باوجود عورتوں سے نکاح نہ کرتے تھے اگر نکاح افضل ہوتا تو اللہ تعالیٰ یحییٰ علیہ السلام کو عدم
نکاح کے باعث ان کی مدح نہ کرتا۔ علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ شافعیہ کا یہ استدلال

ضعیف ہے کیونکہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ پہلی امتوں کے احکام کی حجت تسلیم نہیں کرتے ہیں تو ان سے استدلال کیسے جائز ہے۔ البتہ حنفیہ پہلی امتوں کے شرائع اور احکام کو تسلیم کرتے ہیں بشرطیکہ ہماری شریعت نے ان کا انکار نہ کیا ہو اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کے حال کی مدح میں کوئی ایسی شے نہیں جو اس بات پر دلالت کرے کہ وہ نکاح سے افضل ہے کیونکہ کسی صفت کی بذاتِ خود مدح کرنا اس کے غیر کی مذمت کو نہیں چاہتا، کیونکہ صورت کے اعتبار سے نکاح عبادت میں مصروف رہنے سے افضل نہیں ہے البتہ وہ معنیٰ کے اعتبار سے ممتاز ہے وہ یہ کہ اس میں فرد کی صیانت اور نسل کی ضمانت ہے اور معصوم بچہ کی شفاعت کی توقع ہے چنانچہ احادیث میں مذکور ہے کہ ناتمام بچہ بھی اپنے ماں باپ کی شفاعت کرے گا، لہذا نکاح جملہ مستحبات سے ہے۔ بعض امور ایسی ہیں کہ ان پر بظاہر نظر سے وہ دینوی نظر آتے ہیں لیکن مصالح اور اغراض دینیہ پر نظر کرنے سے وہ امور دینیہ میں داخل ہیں ان حالات کی بنا پر امام حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نکاح کو افضل فرمایا ہے اسی لئے سید عالم ﷺ نے نکاح کو افضل فرمایا اور اس کی طرف رغبت دلائی اور ارشاد فرمایا بچے پیدا کو نسلیں بڑھاؤ میں تمہاری وجہ سے پہلی امتوں پر فخر کروں گا اس حدیث میں صیغہ امر مذکور ہے جس کا ادنیٰ مرتبہ استحباب ہے بعض علماء نے کہا اگر شہوت کا غلبہ ہو تو نکاح کرنا واجب ہے۔

حدیث نمبر 29

عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَجُلًا طَلَّقَ اِمْرَاَتَه ثَلٰثًا فَتَزَوَّجَتْ فَطَلَّقَ فَسُئِلَ النَّبِىُّ ﷺ اَتَحِلُّ لِلْاَوَّلِ قَالَ لَا حَتّٰى يَذُوْقَ عُسَيْلَتَهَا كَمَا ذَاقَ الْاَوَّلُ۔ (صحیح بخاری کتاب الطلاق ۲/ ۷۹۱)

ترجمہ: ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ ایک مرد نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں۔ اس نے کسی اور شخص سے نکاح کیا اور اس نے مجھے طلاق دے دی۔ نبی کریم ﷺ سے پوچھا گیا کیا وہ پہلے شوہر کے لئے حلال ہو گئی فرمایا نہیں حتیٰ کہ وہ اس سے جماع کرے جیسے پہلے شوہر نے جماع کیا تھا۔

تشریح

پہلے ہم باب کے عنوان کی وضاحت کرتے ہیں شیعہ اور بعض ظاہری کہتے ہیں کہ جب کوئی ایک بار تین طلاقیں دے تو طلاق واقع نہیں ہوتی۔

کیونکہ اس نے سنت کی مخالفت کی ہے۔ اشراف میں بعض مبتدعہ سے منقول ہے کہ جب تین طلاقیں دے تو طلاق واقع نہیں ہوتی۔ کیونکہ اس نے سنت کی مخالفت کی ہے۔ اشراف میں بعض مبتدعہ سے منقول ہے کہ جب تین طلاقیں اکٹھی دے تو ایک طلاق واقع ہوگی ان کی دلیل یہ ہے کہ رکانہ بن عبد یزید نے اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دیں پھر سخت غمناک ہوئے تو نبی کریم ﷺ نے اُن سے پوچھا تم نے کیسے طلاق دی۔ رکانہ نے کہا ایک مجلس میں تین طلاقیں دیں ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا یہ ایک ہی طلاق ہے اگر چاہتے ہو تو رجوع کر لو، رُکانہ نے رجوع کر لیا اس کا جواب ہے کہ یہ حدیث ابن عباس سے مروی ہے۔ اور ابن عباس کا فتویٰ اس کے خلاف ہے وہ کہتے ہیں تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں۔ اور جب راوی اپنی روایت کے خلاف فتوئ صادر کرے تو اس کے نزدیک روایت منسوخ ہوتی ہے نیز ابو داؤد، ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کی کہ رکانہ نے اپنی بیوی کو طلاق بتہ دی تھی۔ تو رسول اللہ ﷺ نے اسی کو قسم دی کہ اس نے کیا ارادہ کیا تھا، رکانہ نے کہا یا رسول اللہ! بخدا میرا ارادہ ایک طلاق تھا اور بار بار کہا بخدا میرا ارادہ ایک طلاق تھا تو حضور نے ان کی بیوی ان کی طرف واپس کر دی پھر رکانہ نے دوسری طلاق عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں دی اور تیسری طلاق عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں دی چونکہ رکانہ نے طلاق بتہ دی تھی اور بتہ کنایاتِ طلاق سے ہے اس میں طلاق دینے والے کی نیت کا اعتبار ہے کہ اگر ایک طلاق کی نیت کرے تو ایک ہی طلاق ہوگی اور اگر دو کی نیت کرے تب بھی ایک ہی طلاق ہوگی اور اگر تین کی نیت کی تو تین طلاقیں ہوں گی۔ جب رُکانہ نے قسم کھا کر کہا کہ اُس نے ایک طلاق کی نیت کی تھی تو یہ کہنا غلط ہوا کہ اس نے ایک مجلس میں تین طلاقیں دی تھیں۔

ابو داؤد نے اس حدیث کو صحیح تر کہا ہے۔ ابو داؤد نے ابن مجاہد کے طریق سے صحیح سند کے ساتھ روایت کی کہ ابن مجاہد نے کہا میں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس تھا کہ ایک آدمی

آیا اور اس نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی ہیں۔ یہ سن کر پہلے ابن عباس خاموش رہے یہاں
تک کہ میرا گمان ہوا کہ ابن عباس اس کی بیوی اس کو واپس کر دیں گے پھر فرمایا تم میں سے
بعض لوگ حماقت پر سوار ہوتے ہیں پھر آ کر مجھے کہتے ہیں یا ابن عباس یا ابن عباس اللہ تعالیٰ
فرماتا ہے: وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا۔ جو اللہ سے ڈرے وہ اس کے لئے کوئی راہ
نکال دیتا ہے تو اللہ سے نہیں ڈرا میں تیرے لئے کوئی راہ نہیں پاتا تو نے اپنے رب کی نافرمانی
کی ہے تیری بیوی تجھ سے بائن مغلظ ہوگئی ہے ایک دوسرے طریقے سے ابن عباس سے مروی
ہے کہ جو شخص ایک بار تین طلاقیں دے تینوں واقع ہو جاتی ہیں۔ مؤطا میں ہے کہ ایک شخص نے
ابن عباس سے کہا میں نے اپنی بیوی کو سو طلاق دی ہے آپ کا اس میں کیا فتوی ہے۔ ابن
عباس نے کہا تین طلاقیں واقع ہوگئیں اور باقی ۹۷ طلاقوں میں تو نے اللہ کی آیات سے استہزا
کیا۔ جمہور علماء تابعین اور ان کے بعد تبع تابعین اوزاعی نخعی، ثوری، ابوحنیفہ اور آپ کے
تلامذہ امام مالک اور ان کے تلامذہ امام شافعی اور ان کے تلامذہ امام احمد اور ان کے تلامذہ
، اسحاق، ابوثور اور ابوعبید اور دیگر علماء کا یہ مذہب ہے کہ جو اپنی بیوی کو ایک ہی بار تین
طلاقیں دے تینوں واقع ہو جاتی ہیں لیکن گنہگار ہوگا۔ انہوں نے کہا جو اس مذہب کی مخالفت
کرے وہ اہل سنت کے خلاف ہے۔ مسلم میں ابن عباس کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ
کے عہد مبارک اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد اور دو سال عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد
خلافت میں تین طلاقیں ایک طلاق شمار ہوتی تھی، عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا لوگوں نے
ایک ایک کام میں جلدی کرنی شروع کر دی ہے جس میں ان کو سہولت تھی اگر ہم یہ ان پر جاری
کر دیں تو اچھا ہوگا اور ان پر جاری کر دیا۔

اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ شروع اسلام میں جب کوئی اپنی بیوی سے کہتا تجھے طلاق
تجھے طلاق تجھے طلاق ہے اور تاکید کی نیت کی یا نئی طلاق کی نیت نہ کی تو ایک ہی طلاق کے وقوع
کا حکم دیا جاتا تھا کیونکہ وہ دوسری بار سے نئی طلاق کا ارادہ نہ کرتے تھے تو غالب یہی ہوتا تھا کہ
وہ دوسری اور تیسری بار پہلی طلاق کی تاکید کرتا تھا۔ جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ
کا زمانہ آیا اور لوگ یہ صیغہ بکثرت استعمال کرتے تھے اور دوسری اور تیسری بار سے نئی طلاق

کا ارادہ کرتے تھے تو عمر فاروق نے تین طلاقوں کا حکم جاری کر دیا بعض علماء نے اس حدیث
کا مفہوم یہ بیان کیا کہ وہ ایک ہی بار تین طلاقیں واقع کرنے لگے تو عمر فاروق نے اسے نافذ
کر دیا۔ اس تقدیر پر یہ لوگوں کی عادت کے اختلاف کی خبر ہے ایک مسئلہ میں حکم کی تبدیلی
نہیں۔

امام طحاوی نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت کی کہ انہوں نے اس آدمی کے متعلق
جو باکرہ کو تین طلاقیں دے۔ کہا وہ اس کے لئے حلال نہیں حتی کہ کسی اور شخص سے نکاح
کرے۔

بہرکیف امام ابوحنیفہ، مالک، شافعی اور احمد بن حنبل اور ان کے ساتھیوں سب کا مذہب یہ
ہے کہ بیک وقت تین طلاقیں دینے سے تینوں طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں لیکن احناف کہتے ہیں
یہ بدعی طلاق ہے۔

چنانچہ دارقطنی نے عبداللہ بن عمر سے روایت کی کہ میں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ
اگر میں اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیتا تو کیا ہوتا حضور نے فرمایا اس وقت تو اپنے رب کی نافرمانی
کرتا اور تیسری بیوی تجھ پر حرام ہو جاتی۔ نیز طلاق میں تین کا عدد اس لئے رکھا گیا ہے کہ طلاق
سے ندامت کے بعد تدارک ہو سکے کیونکہ اگر اس نے ایک طلاق دی اور بعد میں نادم ہوا
تو رجوع کرے اور اگر تین طلاقیں دیں تو نادم ہونے کا کوئی فائدہ نہ ہوگا اور فوت کردہ واپس نہ
کر سکے گا۔

امام طحاوی نے ابن عباس کی حدیث کا یہ جواب دیا کہ ابن عباس کی حدیث منسوخ ہے
کیونکہ عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں فرمایا: اے لوگو! طلاق کے بارے
میں تمہیں سہولت تھی۔ اب جس نے طلاق میں اللہ کی سہولت سے جلدی کی ہم اس کو طلاق لازم
کر دیں گے۔ اسے امام طحاوی نے صحیح اسناد سے روایت کیا اور ان صحابہ کرام سے خطاب
کیا جو نبی کریم ﷺ کے زمانہ شریف میں جانتے تھے کہ ایک طلاق شمار ہوتی تھی۔
حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خطاب سن کر تمام صحابہ کرام خاموش رہے کسی نے

عمر فاروق کے فیصلہ کو مسترد نہ کیا تو یہ ان کا تین طلاقوں کے وقوع پر اجماع منعقد ہوا جس نے پہلا حکم منسوخ کر دیا۔

سید عالم ﷺ کے زمانہ مبارک میں چند اشیاء کے معانی تھے صحابہ کرام نے آپ کے بعد ان معانی کا خلاف کیا جو پہلے حکم کا ناسخ ہوا۔ چنانچہ پہلے امہات الاولاد کی بیع جرم قرار دیا اور شراب کی حد اسی (۸۰) کوڑے مقرر کی۔

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اجماع ناسخ ہو سکتا ہے کیونکہ جب خبر مشہور سے نسخ جائز ہے تو صحابہ کرام کے اجماع سے بطریق اولیٰ جائز ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ صحابہ کرام کو کوئی نص ملی ہو جو پہلے حکم کی ناسخ ہو اور وہ ہم تک نہ پہنچی ہو۔

علاوہ ازیں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے طحاوی نے چند احادیث روایت کی ہیں جو اِن کی روایت کی تنسیخ کرتی ہیں۔

چنانچہ اعمش نے مالک بن حارث سے روایت کی کہ ایک آدمی ابن عباس کے پاس آیا اور کہا میرے چچا نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی ہیں۔

ابن عباس نے فرمایا تیرے چچا نے اللہ کی نافرمانی کی ہے اور شیطان کی اطاعت کی ہے اس کے لئے اب کوئی راہ باقی نہیں ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا حق یہی ہے کہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کوئی شے معلوم کی ہو پھر وہ منسوخ ہو گئی ہو۔ کیونکہ وہ رسول اللہ ﷺ سے کوئی ایسی روایت نہیں کرتے جس کی وہ بعد میں مخالفت کریں۔

معلوم ہوا کہ ابن عباس کا پہلی روایت کے خلاف فیصلہ اس روایت کے منسوخ ہونے کی دلیل ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆..................☆☆☆..................☆☆☆

حدیث نمبر 30

اَبُوْ سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اَنَّ زَيْنَبَ بِنْتَ اَبِیْ سَلَمَةَ اَخْبَرَتْهُ عَنْ اُمِّهَا اُمِّ سَلَمَةَ زَوْجِ النَّبِیِّ ﷺ اَنَّ امْرَاَةً مِّنْ اَسْلَمَ يُقَالُ لَهَا سُبَيْعَةُ كَانَتْ تَحْتَ زَوْجِهَا تُوُفِّیَ عَنْهَا وَ هِیَ حُبْلٰی فَخَطَبَهَا اَبُو السَّنَابِلِ بْنِ ...... فَاَبَتْ اَنْ تَنْكِحَهُ فَقَالَتْ وَ اللّٰهِ مَا يَصْلَحُ اَنْ تَنْكِحِيْهِ حَتّٰی تَعْتَدِّیْ اٰخِرَ الْاَجَلَيْنِ فَمَكُثَتْ قَرِيْبًا مِّنْ عَشْرِ لَيَالٍ ثُمَّ جَاءَتِ النَّبِیَّ ﷺ فَقَالَ اَنْكِحِیْ۔ (صحیح بخاری کتاب العدۃ ۲ / ۸۰۱)

ترجمہ: ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن نے کہا کہ زینب بنت ابو سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے انہیں اپنی والدہ ام المومنین ام سلمہ زوجہ محترمہ جناب رسول اللہ ﷺ سے خبر دی کہ قبیلہ اسلم کی ایک عورت جس کا ...... کیا جاتا تھی کا شوہر فوت ہو گیا جبکہ وہ حاملہ تھی۔ اسے ابو سنابل نے منگنی کا پیغام بھیجا۔ اُس نے اس کے ساتھ نکاح کرنے سے انکار کر دیا ابو سنابل بن ...... نے کہا بخدا! تو نکاح نہیں کر سکتی حتی کہ دو عدتوں (چار ماہ دس اور وضع حمل میں سے لمبی عدت نہ پوری کرے وہ تقریباً دس روز ٹھہری پھر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی تو حضور ﷺ نے فرمایا تو نکاح کر سکتی ہے۔

تشریح

اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ عدت الوفات چار ماہ دس دن ہے اس سے عورتوں کی عدت مستثنیٰ ہے جن کے شوہر فوت ہو جائیں حالانکہ وہ حاملہ ہیں کیونکہ ان کی عدت وضع حمل ہے۔ آزاد عورت کو اگر طلاق ہو جائے یا طلاق کے بغیر نکاح فسخ ہو جیسے خیار بلوغ نہیں ہے اگر حیض آتا ہے اور دخول کے بعد طلاق ہوئی ہے تو اس کی عدت تین حیض ہے۔ اگر وہ بوڑھی ہے تو اس کی عدت تین ماہ ہے اگر اس کا شوہر فوت ہو جائے اور وہ حاملہ نہ ہو تو اس کی عدت چار ماہ دس دن ہے اگرچہ وہ کتابیہ مسلم کی بیوی ہو کمسن ہو یا بوڑھی اس سے جماع کیا ہو یا نہ کیا ہو اگر لونڈی ہو تو اس کی عدت طلاق دو حیض ہے اگر کمسن یا بوڑھی ہونے کے سبب اسے حیض نہ

آتا ہو یا اس کا شوہر فوت ہو جائے تو اس کی عدت جماع کے بعد طلاق کی صورت میں ڈیڑھ ماہ اور وفات شوہر تقدیر پر دو ماہ پانچ دن ہے۔ اس میں قنہ۔ ام ولدہ، مدبرہ، مکاتبہ اور معتقدۃ البعض سب مساوی ہیں امام ابو حنیفہ کا مذہب یہی ہے اگر وہ حاملہ ہو تو اس کی عدت وضع حملہے اس میں آزاد اور لونڈی دونوں برابر ہیں۔

فراء نے کتاب معانی القران میں ذکر کیا کہ لوگوں نے کہا معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ (جن عورتوں کو حیض آتا ہے ان کی عدت تو ہمیں معلوم ہوگئی جو عورتیں بوڑھی ہوگئی ہوں اور حیض سے ناامید ہو چکی ہوں ان کی عدت کیا ہے تو یہ آیہ کریمہ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلَاثَةُ اَشْهُرٍ نازل ہوئی کہ ان کی عدت تین ماہ ہے پھر ایک آدمی نے کھڑے ہو کر عرض کیا کہ کمسن جسے حیض نہ آتا ہو اس کی عدت کیا ہے فرمایا ان کی عدت وہی ہے جو بوڑھی عورتیں حیض سے ناامید ہو چکیہوں یعنی تین ماہ پھر ایک شخص کھڑا ہو گیا اور عرض کیا یارسول اللہ! ﷺ حاملہ عورتوں کی عدت کیا ہے فرمایا: وَ اُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَنْ یَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ یعنی ان کی عدت وضع حمل ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا جس عورت کا شوہر فوت ہو جائے اگرچہ اسے غسل دیا جا رہا ہو اور ابھی دفن بھی نہ کیا گیا ہو اس کی بیوی حاملہ وضع حمل کر دے تو اس کی عدت ختم ہو جاتی ہے۔ البتہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ عدۃ الوفاۃ ابعد الاجلین ہے۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں جو چاہے میں مباہلہ کے لئے تیار ہوں کہ سورہ طلاق صغریٰ میں عدت الوفات وضع حمل ہے سورہ طلاق کبریٰ (نساء) میں عدت الوفات چار ماہ دس دن ہے کہ بعد نازل ہوئی یعنی سورہ نساء میں چار ماہ دس دن ان عورتوں کی عدت ہے جو حاملہ نہ ہو اور جو حاملہ ہوں ان کی عدت وضع حمل ہے جیسے سورۃ الطلاق میں ہے۔

حدیث نمبر 31

حَدَّثَنَا اَبُوْهُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ ﷺ اَفْضَلُ الصَّدَقَةِ مَا تَرَكَ غَنِیً وَ الْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِّنَ الْيَدِ السُّفْلٰى وَ ابْدَأْ بِمَنْ تَعُوْلُ تَقُوْلُ

الْمَرْاَةُ اِمَّا اَنْ تُطْعِمَنِیْ وَ اِمَّا اَنْ تُطَلِّقَنِیْ وَ يَقُوْلُ الْعَبْدُ اَطْعِمْنِیْ وَ اسْتَعْمِلْنِیْ ، وَ يَقُوْلُ الْاِبْنُ اَطْعِمْنِیْ اِلٰى مَنْ تَدَعُنِیْ قَالُوْا يَا اَبَا هُرَيْرَةَ سَمِعْتَ هٰذَا مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ لَا هٰذَا مِنْ كِيْسِ اَبِیْ هُرَيْرَةَ۔ (صحیح بخاری کتاب النفقات ۲/۸۰۴)

ترجمہ: ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا نبی کریم ﷺ نے فرمایا بہترین صدقہ وہ ہے جو دینے والے کی غنا باقی رکھے اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے اور صدقہ کی ابتداء اس سے کر جس پر تو خرچ کرتا ہے عورت کہے یا تو مجھے کھانا دو یا طلاق دیدو اور غلام کہے مجھے طعام دے اور مجھ سے کام لے اور بیٹا کہے مجھے کھانا دے مجھے کس کے پاس چھوڑ رہا ہے لوگوں نے کہا اے بو ہریرہ یہ تم نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے ابو ہریرہ نے کہا نہیں یہ ابو ہریرہ کی جیب سے نکلا ہے۔

تشریح

قولہ افضل الصدقہ ما ترک غنی۔ یعنی بہترین صدقہ وہ ہے جو دینے والے کو مالدار چھوڑے یعنی اس کو فقیر نہ کر دے۔ اوپر کا ہاتھ تو صدقہ کرنے والا ہے جبکہ نچلا ہاتھ صدقہ لینے والا ہے یعنی اوپر والا معطی اور نچلا سائل ہے اور صدقہ کی ابتداء ان لوگوں سے کرنی چاہیے جن کا نفقہ اس پر ہے اور انسان کا حال ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ عورت تنگ آ کر کہے کہ یا مجھے کھانا دے یا مجھے طلاق دیدو اور اسی طرح غلام بھی کہے کہ اگر مجھ سے کام لیتے ہو تو مجھے کھانا بھی دو اور لڑکا کہے کہ مجھے کھانا دو مجھے کس کے حوالے کر رہے ہو۔ خلاصہ یہ ہے کہ اعیال کی تمام قسمیں طعام کا تقاضا کرتی ہیں ابو ہریرہ کا یہ کہنا ابو ہریرہ کے کیس سے ہے۔ کیس بفتح الکاف بمعنی عقل اور بکسر الکاف بمعنی تھیلی یا جیب ہے۔

ان الفاظ سے ابو ہریرہ نے پوچھنے والے کو تردّد کا انکار کیا ہے یعنی جو کچھ میں نے کہا ہے صرف رسول اللہ ﷺ سے بیان کر رہا ہوں اس نفی سے مراد اثبات ہے اور ابو ہریرہ کے اثبات سے مراد نفی ہے۔ بعض نے کہا یہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بطور زجر و تہدید فرمایا ہے کہ میں نے یہ اپنے تھیلے سے نکال کر بیان کیا ہے۔

بعض نے کہا ''ہذا'' کے لفظ سے آخری کلام کی طرف اشارہ ہے جو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ
نے اپنا قول درج کیا ہے اور وہ قول تقول المراۃ الخ لہذا یہ اثبات ہے انکار نہیں ۔یعنی یہ
نہیں ہے مگر رسول اللہ ﷺ سے ہی ہے۔ اس نفی میں اثبات مراد ہے یعنی یہ مقدار ابو ہریرہ کی
عقل سے ہے یعنی یہ نفی اور اثبات حقیقت پر مبنی ہے تیمی نے کہا امام بخاری نے اس میں یہ اشارہ
دیا ہے کہ اس حدیث کا کچھ حصہ ابو ہریرہ کا کلام ہے جو حدیث میں درج کیا گیا ہے اس حدیث
سے چند فوائد اخذ ہوتے ہیں۔

اول......یہ کہ انسان کا اپنا حق غیر کے حق سے مقدم ہے۔ دوم......یہ کہ بالاتفاق بیوی
اور اولاد کا نان ونفقہ فرض ہے۔ سوم......خادموں کا نفقہ بھی واجب ہے۔ چہارم......اس قول اما
ان تطعمنی واما تطلقنی سے یہ استدلال کیا جاتا ہے کہ جو شخص اپنی بیوی کا نان ونفقہ پورا
نہ کر سکے ان میں تفریق کر دینی چاہیے اور عورت شوہر سے فراق کر سکتی ہے جمہور کا یہی قول ہے
عطاء بن ابی رباح ابن شہاب زہری، ابن شہریہ، ابو سلیمان اور عمر بن عبد العزیز بھی یہی کہتے
ہیں۔ عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ......مزکورہ سے یہ استدلال تام نہیں ابن
عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا یہ آیت کریمہ اس آدمی کے حق میں نازل ہوئی کہ جو عورت
کو طلاق دیدے جب عدت پوری ہونے کو ہو تو رجوع کرے تاکہ دوسرے تک نہ جا سکے پھر
طلاق دے دیتا ہے۔ اور وہ عدت میں بیٹھ جاتی ہے پھر جب عدت پوری ہونے کو ہوتی ہے
تو رجوع کر لیتا ہے پھر اس کو عدت میں ڈال دیتا ہے اس کو سخت وعید کے ساتھ منع کیا جو اس
طرح کرے وہ اپنی جان پر ظلم کرتا ہے لہذا اس سے استدلال باطل ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

حدیث نمبر 32

عَنِ ابْنِ اَبِیْ لَیْلٰی قَالَ حَدَّثَنَا عَلِیٌّ اَنَّ فَاطِمَةَ اَتَتِ النَّبِیَّ ﷺ
تَشْكُوْا اِلَیْهِ مَا تَلْقٰی فِیْ یَدِهَا مِنَ الرَّحٰی وَ بَلَغَهَا اَنَّهٗ قَدْ جَاءَهٗ
رَقِیْقٌ فَلَمْ تُصَادِفْهُ فَذَكَرَتْ لِعَائِشَةَ فَلَمَّا جَاءَ اَخْبَرَتْهُ عَائِشَةُ قَالَ
فَجَاءَنَا فَقَعَدَ بَیْنِیْ وَبَیْنَهَا حَتّٰی وَجَدْتُ بَرْدَ قَدَمَیْهِ عَلٰی بَطْنِیْ

فَقَالَ اَلَا اَدُلُّكُمَا عَلٰی خَیْرٍ مِمَّا سَاَلْتُمَا اِذَا اَخَذْتُمَا مَضَاجِعَكُمَا اَوْ
اَوَیْتُمَا اِلٰی فِرَاشِكُمَا فَسَبِّحَا ثَلَاثًا۔

(صحیح بخاری کتاب النفقات ۲/۸۰۷)

ترجمہ: ابن ابو لیلی نے بیان کیا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خبر دی کہ سیدہ فاطمہ
رضی اللہ تعالیٰ عنہا نبی کریم ﷺ کے پاس آئیں اس حال میں کہ آپ حضور سے
شکایت کرتی تھیں کہ چکی چلانے کی وجہ سے ان کے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے ہیں
اور انہیں خبر پہنچی ہے کہ حضور کے پاس غلام آئے ہیں۔ انہوں نے حضور کو نہ پایا اور ام
المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے یہ ذکر کیا جب حضور تشریف لائے تو ام
المؤمنین نے آپ ﷺ کو خبردار کیا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا سید عالم
ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے، حالانکہ ہم نے سونے کے لئے بستر رکھے ہوئے
تھے ہم نے کھڑے ہونے کا قصد کیا تو حضور نے فرمایا اپنی جگہ پر رہو آپ تشریف
لائے اور میرے اور سیدہ فاطمہ کے درمیان بیٹھ گئے حتی کہ میں نے آپ کے قدموں
کی ٹھنڈک اپنے بطن پر پائی حضور نے فرمایا میں تمہیں اس سے بہتر چیز نہ بتاؤں جو تم
نے طلب کیا ہے جب اپنے بستر پر جاؤ تو ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ کہو، ۳۳ مرتبہ الحمد
للہ کہو اور ۳۴ مرتبہ اللہ اکبر کہو یہ تمہارے لئے خادم سے بہتر ہے۔

تشریح

کیونکہ یہ آخرت جو ہمیشگی کا مقام ہے میں بے انتہاء ثواب اور راحت کا موجب ہے اور
خادم کا آرام اس فانی دنیا میں اس سے کچھ نسبت نہیں رکھتا ہے۔ علامہ عینی رحمہ اللہ تعالیٰ نے
طبری سے نقل کیا کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جس عورت کو گھر کے کام کاج روٹی پکانا
چکی پیسنا وغیرہ کی طاقت ہو اور یہ متعارف ہو کہ وہ یہ کر سکتی ہے تو شوہر پر لازم نہیں کیونکہ سیدہ
فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے والد رسول اللہ ﷺ سے خادم طلب کیا تو حضور نے ان
کے شوہر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم نہیں دیا کہ انہیں خادم لا کر دیں یا کرایہ پر نوکر لے آئیں جو
یہ سارا کام کاج کرے۔ اگر حضرت علی اس کی کفایت کر سکتے تو حضور انہیں ضرور حکم کرتے اس

تقریر سے حدیث کی باب سے مناسبت واضح ہوگئی کیونکہ عورت کے خادم میں ابہام ہے اوراس حدیث نے اس کی تفسیر کردی ہے۔

ابن ماجشون نے امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ گھر کی خدمت عورت پرلازم ہے اگرچہ عورت معزز اوراعلیٰ خاندان سے ہو جبکہ اس کا شوہر غریب اور تنگ دست ہو۔ اسی لئے سید عالم ﷺ نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر خدمتِ باطنہ اور حضرت علی پر خدمت ظاہرہ لازم کی لیکن عورت کو گھر کی خدمت پر مجبور نہیں کرسکتے بلکہ اس پر اجماع ہے کہ بیوی کی جملہ ضروریات شوہر کے ذمہ ہیں۔امام طحاوی نے اس بات پر اجماع نقل کیا ہے کہ اگر عورت نے کام کاج کے لئے خادم رکھ لیا ہو تو شوہر اس کو گھر سے باہر نہیں نکال سکتا۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بقدر ضرورت شوہر پر خادم کا نفقہ لازم ہے علماء کوفہ اورامام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا اگر عورت اور عورتوں میں سے ہو جو خادم رکھا کرتی ہیں تو شوہر پر عورت اور کادم دونوں کا نفقہ لازم ہے۔

اگر یہ سوال پوچھا جائے کہ اس میں شک نہیں کہ تسبیح وتحمید وغیرہ کا عظیم ثواب ہے لیکن یہ خادم سے خدمت لینے سے کیسے بہتر ہے۔اس کا جواب یہ ہے کہ ممکن ہے تسبیح کرنے والے کے لئے ایسی قوت پیدا کردے کہ وہ خادم کی قدرت سے زیادہ پر قادر ہوجائے یا خادم کی نسبت اس کے لئے بنفسہٖ سرانجام دیتے ہیں زیادہ آسان ہوجائیں۔

حدیث نمبر 33

عَنْ اِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ اَبِیْ طَلْحَةَ اَنَّهٗ سَمِعَ اَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَقُوْلُ اِنَّ خَيَّاطًا دَعَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ لِطَعَامٍ صَنَعَهٗ قَالَ اَنَسٌ فَذَهَبْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَرَاَيْتُهٗ يَتَتَبَّعُ الدُّبَّاءَ مِنْ حَوَالَيِ الْقَصْعَةِ قَالَ فَلَمْ اَزَلْ اُحِبُّ الدُّبَّاءَ مِنْ يَوْمَئِذٍ۔

(صحیح بخاری کتاب الاطعمات ۸۱۰/۲)

ترجمہ: اسحاق بن عبداللہ بن ابی طلحہ سے روایت ہے انہوں نے انس بن مالک کو یہ کہتے

ہوئے سنا کہ ایک درزی نے رسول اللہ ﷺ کی کھانے کی دعوت کی جو اس نے خود تیار کیا تھا۔ان نے کہا میں رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ گیا تو میں نے آپ کو دیکھا کہ پیالہ کے کنارے سے کدّو شریف کے ٹکڑے ڈھونڈ رہے ہیں۔حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا اُس دن سے میں ہمیشہ کدّو سے محبت کرتا رہا۔

تشریح

دُبّاء کو ممدود و مقصود دونوں طرح پڑھنا جائز ہے اس کے معنی گول کدّو،اس کا واحد دباۃ دبۃ ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دباء میں ہمزہ زائد ہے جوہری نے کہا دبا بروزن فعال ہے مہموز اللام ہے سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم پیالہ میں کدّو تلاش کرکے کھاتے تھے اور گوشت کے ٹکڑے نہ کھاتے تھے کیونکہ آپ کو کدّو بہت پسند تھا اور خشک گوشت کو پسند نہ کرتے تھے۔اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جو کوئی اپنے اہل وعیال اور کادموں کے ساتھ کھانا کھانے والے برتن میں جہاں سے چاہے چن چن کر کھاسکتا ہے جبکہ ساتھ کھانے والا اس کو مکروہ نہ سمجھے ورنہ اپنے آگے سے تجاوز نہ کرے اور یہ مسلم ہے کہ کوئی بھی رسول اللہ ﷺ سے کراہت نہیں کرتا تھا بلکہ لوگ آپ کے لعاب دہن کو مبارک جانتے اور جس کو حضور کا دستِ مبارک مس کیا اس سے تبرک حاصل کرتے تھے بلکہ حضور کے کھنگار اور جو ناک شریف سے نکلے اس کو لے کر اپنے چہروں پہ مل لیتے تھے اور وضو کے پانی کو نیچے گرنے نہیں دیتے تھے اپنے جسموں پر مل لیتے تھے۔

حدیث نمبر 34

قَالَ حَدَّثَنَا سَلْمٰنُ بْنُ عَامِرِ الضَّبِّیُّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ مَعَ الْغُلَامِ عَقِيْقَةٌ فَاَهْرِيْقُوْا عَنْهُ دَمًا وَ اَمِيْطُوْا عَنْهُ الْاَذٰى۔

(صحیح بخاری کتاب العقیقۃ ۸۲۲/۲)

ترجمہ: حضرت سلمان بن عامر ضبی سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ لڑکے کا عقیقہ ہے اُس کی طرف خون بہاؤ اور اس سے تکلیف

زائل کرو۔

تشریح

علامہ عینی نے اصمعی سے نقل کیا کہ دراصل عقیقہ وہ بال ہیں جو بچے کے سر پر ہوتے ہیں جبکہ وہ پیدا ہوتا ہے اس کی طرف سے اس وقت جو بکری ذبح کی جاتی ہے اس کا نام عقیقہ ہے کیونکہ ذبح کے وقت مولود کے بال اُتارے جاتے ہیں خطابی نے کہا جو بکری مولود کی طرف سے ذبح کی جائے اس کو عقیقہ کہتے ہیں۔ کیونکہ وہ ذابح سے قطع کی جاتی ہے۔ حلق سے جو بال اتارے جاتے ہیں ان کو بھی استعارۃ عقیقہ کہتے ہیں مولود کے ساتویں روز ذبح کرنے کو بالوں کے نام پر عقیقہ کہتے ہیں کیونکہ اس روز بال ...... کئے جاتے ہیں اور اس کے لئے جو بکری ذبح کی جائے اس کو عقیقہ کہتے ہیں جس نومولود کا عقیقہ نہ کرنا ہو پیدائش کے دن کی صبح کو نام رکھا اور اس کی تحنیک اس باب کا ایک عنوان ہے یہ ہے کہ جس شخص کو عقیقہ کرنے کی استطاعت نہ ہو وہ نومولود کا نام رکھنے میں ساتویں دن تک تاخیر نہ کرے۔ جس روز بچہ پیدا ہو اس کے دوسرے دن کی صبح کو نام رکھ لے ورنہ سنت یہ ہے کہ ساتویں دن نام رکھ لے اور دوسرا عنوان نومولود کی تحنیک ہے وہ یہ ہے کہ کھجور یا کوئی میٹھی شے کو چبا کر زم کر کے نومولود کے منہ میں ڈالتے ہیں اس کا مقصد ایمان کی نیک فال ہے کیونکہ کھجور کے درخت کو مومن سے تشبیہ دی گئی ہے اور میٹھی شے کو سرکار مدینہ پسند فرماتے تھے لہذا اس میں حلاوت ایمان ہے کی بھی نیک فال ہے خصوصاً جبکہ اہل اصلاح و علم و تقوی والوں سے تحنیک کرائیں کہ ان کے منہ کی برکت اس کو پہنچتی ہے۔

امام مالک، امام شافعی اور احمد بن حنبل رحمہم اللہ نے کہا عقیقہ سنت ہے جو اس کی طاقت رکھتا ہو ترک نہ کرے امام احمد نے کہا بکری کی قیمت مساکین پر صدقہ کرنے سے ذبح کر کے کھلانا زیادہ بہتر ہے یحییٰ بن سعید نے کہا میں نے لوگوں کو دیکھا ہے کہ وہ بچے اور بچی کا عقیقہ کرتے تھے اور ترک نہ کرتے تھے۔ ابن حزم نے کہا جو کوئی طاقت رکھتا ہے اس پر عقیقہ کرنا واجب ہے۔ ابن تین نے کہا لڑکوں کا عقیقہ کرنا سنت ہے لڑکیوں کا نہیں۔ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا یہ سنت مؤکدہ نہیں امام محمد رحمہ اللہ نے کہا یہ مستحب ہے پہلے کرتے تھے پھر منسوخ

ہو گیا۔ شیخ عبدالرزاق نے اپنے اسناد سے حدیث روایت کی ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا جو شخص اپنے بیٹے کو اچھا جانتا ہو اس کے لئے مستحب یہ ہے کہ عقیقہ کرے۔ لڑکے کی طرف سے دو بکرے اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری ذبح کرے یہ استحباب کی دلیل ہے۔

حدیث نمبر 35

اَنَّ عَبْدَ اللّٰہِ بْنَ عَبَّاسٍ اَخْبَرَہٗ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ مَرَّ بِشَاۃٍ مَیِّتَۃٍ فَقَالَ ھَلَّا اسْتَمْتَعْتُمْ بِاِھَابِھَا قَالُوْا اِنَّھَا مَیِّتَۃٌ قَالَ اِنَّمَا حَرُمَ اَکْلُھَا۔

(صحیح بخاری کتاب الذبائح والصید ۸۳۰/۲)

ترجمہ: عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے خبر دی کہ رسول اللہ ﷺ ایک مردار بکری کے پاس سے گزری تو فرمایا کیا تم نے اس کی کھال دباغت کی ہے لوگوں نے کہا یہ تو مردار ہے حضور نے فرمایا مردار کا کھانا حرام ہے۔

تشریح

اس حدیث سے جمہور فقہاء نے استدلال کیا مردار کی کھال سے دباغت کے بعد نفع حاصل کرنا جائز ہے۔ امام مالک کا قول بھی یہی ہے امام ابوحنیفہ اور امام شافعی بھی یہی کہتے ہیں اگر یہ سوال پوچھا جائے کہ طبرانی نے تہذیب الاثار میں جابر کی حدیث ذکر کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مردار سے ذرہ نفع نہ حاصل کرو نیز عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے مردار سے نفع حاصل کرنے سے منع فرمایا۔ ابوداؤد اور ترمذی نے بھی صحیح اسناد سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے درندوں کے چمڑے بچھانے سے منع فرمایا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جابر کی حدیث میں زمعہ ہے اس کی نقل غیر معتمد علیہ ہے اور عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث کے اسناد میں عام مجہول غیر معروف ہے اور درندوں کے چمڑوں سے نہیں اس لئے ہے کہ وہ دباغت سے قبل استعمال کئے جاتے تھے۔

☆☆☆..................☆☆☆..................☆☆☆

حدیث نمبر 36

عَنْ ابْنِ سُوَيْدٍ عَنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ دَخَلْتُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَ هُوَ يُوْعَكُ فَقُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّكَ تُوْعَكُ شَدِيْدًا قَالَ اَجَلْ اِنِّىْ اُوْعَكُ كَمَا يُوْعَكُ رَجُلَانِ مِنْكُمْ قُلْتُ ذٰلِكَ لَكَ اَجْرَيْنِ قَالَ اَجَلْ ذٰلِكَ كَذَالِكَ مَا مِنْ مُسْلِمٍ يُصِيْبُهُ اَذًى شَوْكَةٌ فَمَا فَوْقَهَا اِلَّا كَفَّرَ اللّٰهُ بِهَا سَيِّئَاتِهٖ كَمَا تُحَطُّ الشَّجَرَةُ وَرَقَهَا۔

(صحیح بخاری کتاب المرضیٰ ۲/۸۴۳)

ترجمہ: حارث بن سوید نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ انہوں نے کہا میں رسول اللہ ﷺ کے پاس گیا جبکہ آپ کو سخت بخار تھا میں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ آپ کو سخت بخار ہے فرمایا ہے مجھے دو آمیوں کے بخار جتنا بخار ہے میں نے عرض کیا یہ اس لئے کہ آپ کے لئے دوگنا ثواب ہے فرمایا ہاں! یہ ایسا ہی ہے جس بھی مسلمان کو کوئی اذیت پہنچے وہ کانٹا ہو یا اس سے زیادہ ہو اس کے باعث اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کا کفارہ کردیتا ہے۔ جیسے درخت اپنے پتے گرادیتا ہے۔

تشریح

اگر یہ سوال پوچھا جائے کہ پہلے ثم الامثل، بلفظ ثم اور دوسری بار فالامثل بلفظ فاء کیوں کہا اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے مرتبہ اور غیر نبیوں کے مرتبہ کے درمیان بُعد اور تراخی سے خبردار کیا ہے اور نبیوں کے غیر میں یہ بُعد نہیں کیوں یہ واضح بات ہے کہ نبی اور ولی کے درمیان بُعد سے کہیں زیادہ ہے جبکہ ولیوں کے مراتب ایک دوسرے کے قریب ہیں لفظ اول امثل بمعنی افضل کی تفسیر ہے کہ کیونکہ اول کے معنٰی ہیں فضیلت میں آگے بڑھنے والا ہے۔ اس لئے اس پر ثم سے عطف نہیں کیا حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جب بیماری زیادہ ہو جائے تو ثواب بھی بڑھ جاتا ہے۔

پھر اس کے بعد اور زیادہ ثواب بڑھتا ہے یہاں تک کہ تمام گناہ ختم ہوجاتے ہیں چنانچہ امام احمد اور ابن ابی شیبہ نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ مؤمن پر مرنے تک مصائب آتے رہتے ہیں حتی کہ اللہ سے ملاقات کے وقت اس کا کوئی گناہ باقی نہیں رہتا۔ اگر یہ سوال پوچھا جائے کہ سید عالم ﷺ نے فرمایا ہاں اس کا مطلب یہ ہے کہ مرض میں زیادہ نیکیاں حاصل ہوتی ہیں۔ اور حدیث کے آخری الفاظ کا مدلول یہ ہے کہ گناہ گرتے ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ اجل میں اس خبر کی تصدیق ہے حضور نے پہلے اس کی تصدیق فرمائی پھر نیا کلام ذکر فرمایا اور اس پر اضافہ کرتے ہوئے فرمایا۔ بیماری گناہ گرادیتی ہے تو جواب کا حاصل یہ ہوا کہ ہاں بیماری درجات بلند کرتی ہے اور گناہ بھی گرادیتی ہے نبیوں کی آزمائش سخت ہونے کی علت یہ ہے کہ آزمائش نعمت کے مقابلہ میں ہوتی ہے جس پر اللہ تعالیٰ کے انعامات زیادہ ہوں اس کی آزمائش بھی سخت ہوتی ہے۔

حدیث نمبر 37

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ اَلشِّفَاءُ فِىْ ثَلَاثَةٍ فِىْ شَرْطَةِ ......اَوْ شَرْبَةِ عَسَلٍ اَوْ كَيَّةٍ بِنَارٍ وَ اَنَا اَنْهٰى اُمَّتِىْ عَنِ الْكَيِّ۔

(صحیح بخاری کتاب الطب ۲/۸۴۸)

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا شفاء تین چیزوں میں ہے پچھنے لگوانے، شہد پینے اور آگ سے داغنے میں ہے۔ میں اپنی امت کو داغنے سے منع کرتا ہوں۔

تشریح

سید عالم ﷺ نے تین چیزوں میں شفاء کو منحصر نہیں کیا۔ کیونکہ ان کے علاوہ اور اشیاء سے بھی شفاء ہوتی ہے۔ حضور نے ان تین چیزوں کو اصول علاج قرار دیا ہے، کیونکہ بیماری دموی یا صفراوی یا سوداوی یا بلغمی ہوتی ہے دموی کا علاج خون نکالنا ہے اور یہ پچھنے لگوانے سے ہوتا ہے کیونکہ عربوں میں خون نکالنے کا یہی طریقہ تھا اگرچہ فصد سے بھی نکالا جاتا ہے لیکن وہ

پچھنے لگوانے میں داخل ہے اسی طرح علق لگوانے سے بھی خون نکالا جاتا ہے بہر حال جس سے بھی خون نکالا جائے وہ شرط مجم میں داخل ہے۔آپریشن بھی اس میں داخل ہے اگر چہ طریقہ مختلف ہے باقی بیماریوں کا علاج اسہال کے ساتھ ہے ان کے مناسب شہد کو ذکر کیا۔جن فضلات کا اخراج مشکل ہو ان کے لئے داغنا آخری علاج ہے۔اگر یہ سوال پوچھا جائے کہ جب داغنے میں شفاء ہے تو اس سے منع کیوں فرمایا۔اس کا جواب یہ ہے کہ لوگ یہ خیال کرتے تھے کہ داغنا طبعاً بیماری دور کرتا ہے اس لئے اس سے منع فرمایا اور اگر یہ اعتقاد ہو کہ شافی صرف اللہ تعالیٰ ہے تو اسے معین طریقہ سے استعمال کرنے میں ضرور شفاء ہے۔سید عالم ﷺ نے سعد بن معاذ کو داغا اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی داغتے تھے۔

شہد کے کثیر منافع ہیں۔انتڑیوں اور رگوں میں میل زائل کرتا ہے معدہ کی صفائی کرتا ہے رگوں کے منہ کو کشادہ کرتا ہے۔معدہ، جگر، مثانہ وغیرہ کو مضبوط کرتا ہے۔اس کو کھانے سے رطوبت کی تحلیل ہوتی ہے دوائیوں کی مکروہ کیفیت دور کرتا ہے، سینہ اور جگر کا تنقیہ کرتا ہے بول اور حیض کھل کر آتا ہے بلغم سے سینہ کی درد کے لئے مفید ہے جن لوگوں کے بلغمی سرد مزاج ہیں ان کے لئے بہت مفید ہے اگر اسے سرکہ میں حل کر کے کھایا جائے تو صفراء دور کرتا ہے یہ غذا کے علاوہ دوا بھی ہے پینے کے بھی کام آتا ہے اور خوش ذائقہ شر......اور مفرح بھی ہے۔

حدیث نمبر 38

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ ﷺ لاَ یَجِدُ اَحَدٌ حَلاَوَةَ الْاِیْمَانِ حَتّٰی یُحِبَّ الْمَرْءَ لاَ یُحِبُّهٗ اِلاَّ لِلّٰهِ وَ حَتّٰی اَنْ یُّقْذَفَ فِی النَّارِ اَحَبَّ اِلَیْهِ مِنْ اَنْ یَّرْجِعَ اِلَی الْکُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْقَذَهُ اللّٰهُ وَ حَتّٰی یَکُوْنَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ اَحَبَّ اِلَیْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا۔

(صحیح بخاری کتاب الادب ۲/۸۹۵)

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کوئی بھی ایمان کی شیرینی نہیں پاتا حتی کہ وہ کسی آدمی سے محبت صرف اللہ ہی کے لئے

کرے حتی کہ اس کو آگ میں پھینکا جائے اس سے زیادہ محبوب ہو کہ کفر کی طرف لوٹے جبکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو آگ سے نکالا ہے حتی کہ اللہ اور اس کا رسول ان کے ماسوا سے اُسے زیادہ محبوب ہوں۔

تشریح

ایمان کو شہد سے تشبیہ دی اس کی وجہ ہے کہ ایمان اور شہد میں میلانِ قلب پایا جاتا ہے پھر شہد کی خصوصیت ''شرینی'' کو ایمان کی طرف منسوب کر کے حلاوۃ الایمان فرمایا اگر یہ سوال پوچھا جائے کہ حلاوت ایمان مطعومات میں پائی جاتی ہیں ایمان مطعوم نہیں اس کا جواب یہ ہے کہ یہ استعارہ بالکنایہ ہے کہ شہد کے خاصہ کو ایمان کی طرف منسوب کیا ہے اگر یہ سوال پوچھا جائے کہ محبت طبعی شے ہے یہ انسان کے اختیار میں نہیں اس کا جواب یہ ہے کہ مراد محبت عقلی ہے اور وہ عقل کے مقتضی اور مختار کو ترجیح دینا ہے اگر چہ خواہش کے خلاف ہو جیسے بیمار آدمی دواء کو مکروہ جانتا ہے اور اپنے اختیار سے اس کی طرف مائل ہوتا ہے اگر یہ سوال پوچھا جائے کہ اس حدیث شریف میں اللہ اور رسول کی ضمیر کو جمع کر کے فرمایا اَحَبَّ مِمَّا سِوَاهُمَا حالانکہ جس خطیب نے کہا تھا وَ مَنْ یَعْصِهِمَا فَقَدْ غَوٰی تو بہت بڑا خطیب ہے حالانکہ اس نے بھی اللہ اور رسول کو ایک ضمیر میں جمع کیا تھا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں دونوں محبتوں کا مجموعہ معتبر ہے ہر ایک محبت معتبر نہیں بخلاف معصیت کے کہ غوایت میں ہر ایک معصیت مستقل ہے خطیب کے کلام کا مفہوم یہ تھا کہ اللہ اور رسول دونوں کی عصیان گمراہی ہے حالانکہ ہر ایک عصیان گمراہی ہے محبت میں یہ صورت نہیں کیونکہ محبت میں مجموعہ کا اعتبار ہے۔اللہ و رسولہ اعلم۔

حدیث نمبر 39

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ خَلَقَ اللّٰهُ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِهٖ طُوْلُهٗ سِتُّوْنَ ذِرَاعًا فَلَمَّا خَلَقَهٗ قَالَ اِذْهَبْ فَسَلِّمْ عَلٰی اُولٰٓئِكَ النَّفَرِ

مِنَ الْمَلَائِكَةِ جُلُوْسٍ فَاسْتَمِعْ مَا يُحَيُّوْنَكَ فَاِنَّهَا تَحِيَّتُكَ وَ تَحِيَّةُ ذُرِّيَّتِكَ فَقَالَ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ فَقَالُوْا السَّلَامُ عَلَيْكَ وَ رَحْمَةُ اللّٰهِ فَزَادُوْهُ رَحْمَةُ اللّٰهِ وَ كُلُّ مَنْ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ عَلٰى صُوْرَةِ اٰدَمَ فَلَمْ يَزَلِ الْخَلْقُ يَنْقُصُ بَعْدُ حَتّٰى الْاٰنَ۔

(صحیح بخاری کتاب الاستیذان ۲/۹۱۹)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو عظیم صورت میں پیدا کیا اس کی لمبائی ساٹھ گز تھی جب اس کو پیدا کیا تو فرمایا جاؤ فرشتوں کی بیٹھی ہوئی جماعت کو سلام کہو اور سنو وہ تمہیں کیا جواب دیتے ہیں وہ تمہارا سلام اور تمہاری اولاد کا سلام ہوگا آدم علیہ السلام نے (فرشتوں کو) کہا ''السلام علیکم'' فرشتوں نے کہا السلام علیکم ورحمۃ اللہ، انہوں نے سلام پر رحمۃ اللہ زائد کیا۔ پس جنت میں داخل ہوگا وہ آدم کی صورت میں (ساٹھ گز لمبا) ہوگا اس کے بعد تک قد میں کمی ہوتی رہی۔

تشریح

استیذان کے معنٰی ہیں کسی مکان میں داخل ہونے کی اجازت طلب کرنا جس مکان کا اجازت طلب کرنے والا نہیں: قولہ علی صورتہ، میں اضافت تشریف کے لئے ہے جیسے روح اللہ اور بیت اللہ ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کی ابتداء آفرینش میں خلقت کامل تھی اور وہ ساٹھ گز لمبے تھے بخلاف ان کی اولاد کے ان کی خلقت بشر سوی نہیں جیسے آدم علیہ السلام بشر سوی تھے بلکہ وہ پہلے نطفہ پھر علقہ پھر مضغہ پھر جنین پھر طفل اور پھر رجل ہوتے ہیں وہ اتنے اطوار سے گزر کر لمبے ہوتے ہیں اس میں دہریوں کا ردّ ہے۔ جو کہتے ہیں کہ انسان صرف نطفہ سے ہے اور نطفہ انسان سے اور حدیث میں مذکور اطوار تسلیم نہیں کرتے نیز اس میں قدریہ کا بھی ردّ ہے جو کہتے ہیں آدم کی صفات دو قسم ہیں ایک وہ جو اللہ کی مخلوق ہیں۔ دوسری قسم وہ جن کو آدم نے بنفسہٖ پیدا کیا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا سلام کی انتہا برکت پر ہوتی ہے کم از کم سلام یہ ہے کہ کہے ''السلام علیکم'' تا کہ فرشتوں کو بھی شامل ہوجائے۔ اللہ تعالیٰ کے کلام

رحمۃ اللہ وبرکاتہٗ علیکم اہل البیت کی اقتداء کرتے ہوئے السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ'' کہنا مستحب ہے۔ علیکم السلام نہیں کہنا چاہیے کیونکہ یہ اموات کا سلام ہے (ترمذی) سلام کے جواب میں افضل یہ ہے کہ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ کہے۔

امام نووی نے کہا اگر واؤ کو ذکر نہ کرتے تو اس میں دو وجہیں ہیں سلام کو جواب فوراً دینا چاہیے اگر تاخیر سے جواب دیا تو وہ جواب نہ ہوگا اور گنہگار ہوگا کم از کم سلام اتنا بلند کہے کہ جس کو سلام کہتا ہے وہ سن لے اس سے کم جائز نہیں۔ اگر کسی واسطہ سے سلام پہنچے تو فوراً اس کا جواب دے اور سلام پہنچانے والے کو بھی جواب دے مثلاً یوں کہے وعلیک وعلیہ السلام اگر گونگے کو سلام تو کلام کے ساتھ اشارہ بھی کرے تا کہ افہام حاصل ہوجائے ورنہ جواب کا مستحق نہ ہوگا یہی حال بہرے کا ہے اگر گونگے کو سلام کہا اور اس نے جواب ہاتھ کے اشارہ سے دیا تو اس سے فرض ساقط ہوجائے گا اسی طرح اگر افرس (گونگے) نے ہاتھ کے اشارہ سے سلام کہا تو جواب کا مستحق ہوجاتا ہی اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتے عربی میں کلام کرتے ہیں اور عربی میں سلام کہتے ہیں اور یہ بھی معلوم ہوا کہ علم کا اہل ہی علم حاصل کرتا ہے۔

حدیث نمبر 40

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَفْرَحُ بِتَوْبَةِ عَبْدِهٖ مِنْ اَحَدِكُمْ سَقَطَ عَلٰى بَعِيْرِهٖ وَ قَدْ اَضَلَّهٗ فِيْ اَرْضٍ فَلَاةٍ۔

(صحیح بخاری کتاب الدعوات ۲/۹۳۳)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی توبہ سے اس شخص سے زیادہ خوش ہوتا ہے جو جنگل میں اپنے اونٹ کو پالے جو اس سے گم ہوگیا تھا۔

تشریح

یعنی مومن کا دل منور ہوتا ہے جب وہ اپنے مخالف کوئی شے دیکھے تو اس پر بہت گراں گزرتا ہے۔ پہاڑ کے ساتھ مثال دینے میں حکمت یہ ہے کہ پہاڑ کے پہاڑ کے علاوہ مہلکات

سے کبھی نجات حاصل ہوجاتی ہے لیکن پہاڑ جب کسی پر گر پڑے تو اس سے نجات بہت مشکل
ہے اور فاسق اپنے گناہوں کو مکھی کی طرح دیکھتا ہے جو اس کی ناک سے گزرتی ہے یعنی وہ
گناہوں کو معمول خیال کرتا ہے کیونکہ اس کا دل سیاہ ہوتا ہے اس کے نزدیک گناہ بہت ہلکے
ہوتے ہیں قولہ افرح اللہ تعالیٰ پر خوشی کا اطلاق مجازی ہے اس سے رضا مراد ہے اس کی تعبیر خوشی
سے رضاء کے معنی کی تاکید کے لئے ہے۔

یعنی اللہ تعالیٰ بندے کی توبہ پر اس آدمی سے زیادہ راضی ہوتا ہے جو اونٹ پر سوار جنگل
میں سے گزر رہا ہو اور تھک کر ایک درخت کے سایہ میں ٹھہر جائے جبکہ شدت گرمی سے پریشان
ہو چکا ہو اور درخت کے سایہ تلے سو جائے جب بیدار ہو تو اونٹ کو گم پائے اور اِدھر اُدھر تلاش
کرنے کے بعد نہ ملے تو اسی درخت کے سایہ تلے اس امید سے آکر لیٹ جائے کہ اب
میں مر جاؤں گا جبکہ وہاں دور دراز تک آب وگیاہ کا نشان تک نہیں اور سایہ تلے سو جائے
اچانک بیدار ہو تو اونٹ کو اپنے پاس کھڑا دیکھے ایسے شخص کی خوشی کی انتہا باقی نہیں رہتی جو موت
کے منہ سے نکلا ہو۔ حدیث میں مجاز پر محمول کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی توبہ
پر اس شخص سے بھی زیادہ راضی ہوتا ہے۔

☆☆☆..................☆☆☆..................☆☆☆

برائے ایصال ثواب

راقم اپنی کتاب بعنوان ''اربعین اشرفیہ'' کے قارئین سے التماس کرتا ہے کہ
اس کتاب کو پڑھنے کے بعد اس کا ثواب میرے نانا جان

علم دین رحمۃ اللہ علیہ مرحوم

اور

میرے والد گرامی

حسن محمد رحمۃ اللہ علیہ مرحوم

کی روح کو پہنچائیں۔

کیونکہ میں نے اس کتاب کو اپنے نانا جان اور اپنے والد گرامی
کے ایصال ثواب کے لئے شائع کیا ہے۔ شکریہ